عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الاُمت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اردو شرح

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۹

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

حامداً و مصلیاً و مسلماً

الربع الثانی من الدفتر الثالث من المثنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح حبیبی

نوح علیہ السلام کا اپنے لڑکے کو بلانا اور اُسکا سرکشی کرنا اور کہنا کہ مین پہاڑ پر چڑھکر بچ جاؤنگا اور تمہارا احسان سر پر نہ رکھونگا

ہین بیا در کشتی بابا نشین | تا نہ گردی غرق طوفانی مہین
گفت نے نے آشنا آموختم | من بجز شمع تو شمع افروختم

ہین مکن کاین موج طوفان بلاست | دست و پائے آشنا امروز لاست
باد قہرست و بلائے شمع کُش | جز کہ شمع حق نمی پاید خمش
گفت نے رفتم بران کوہِ بلند | عاصم است آن گہ مرا از ہر گزند
ہین مکن کہ کوہ کاہست این زمان | جز حبیب خویش را ندہد امان
گفت من کے پند تو بشنودہ ام | کہ طمع کردی کہ من زین دودہ ام
۲ خوش نیامد گفت تو ہرگز مرا | من بریّم از تو در ہر دو سرا
ہین مکن بابا کہ روز ناز نیست | مر خدا را خویشی و انباز نیست
تا کنون کردی و ایندم نازکیست | اندرین درگاہ کسے را ناز کیست
لم یلد لم یولد ست او از قدم | نے پدر دارد نہ فرزند و نہ عم
ناز فرزندان کجا خواہد کشید | یا ز بابایان کجا خواہد شنید
نیستم مولود پیرا کم بناز | نیستم والد جوانا کم گراز

نیستم شوہر نیم من شہوتی ‌ ‌ ‌ ناز را بگذار اینجا اے ستی

جز خضوع و بندگی و اضطرار ‌ ‌ ‌ اندرین حضرت ندارد اعتبار

گفت بابا سالہا این گفتہ ‌ ‌ ‌ باز می گوئی بجہل آشفتہ

چند ازینہا گفتہ با ہر کسے ‌ ‌ ‌ تا جواب سرد بشنودے بسے

این دم سرد تو در گوشم نرفت ‌ ‌ ‌ خاصہ اکنون کہ شدم دانا و زفت

گفت بابا چہ زیان دارد اگر ‌ ‌ ‌ بشنوی یکبار تو پند پدر

ہمچنین مے گفت او پند لطیف ‌ ‌ ‌ ہمچنین میگفت او دفع عنیف

نے پدر از نصح کنعان سیر شد ‌ ‌ ‌ مے دمے در گوش آن ادبیر شد

اندرین گفتن بدند و موج تیز ‌ ‌ ‌ بر سر کنعان زد و شد ریز ریز

نوح گفت اے پادشاہ بردبار ‌ ‌ ‌ مر مرا خر مرد و سیلت برد بار

وعدہ کردے مر مرا تو بارہا ‌ ‌ ‌ کہ بیابد اہلت از طوفان رہا

دل نہادم بر اُمیدت من سلیم ۔ پس چرا بر بود سیل از من گلیم

گفت او از اہلِ خویشانت نبود ۔ خود ندیدے تو سفیدے از کبود

چونکہ در دندان تو کرم اوفتاد ۔ نیست دندان برکنش اے اوستاد

تا کہ باقی تن نگردد زار ازو ۔ گرچہ بود آنِ تو شو بیزار ازو

گفت بیزارم ز غیرِ ذات تو ۔ غیر نبود آنکہ او شد مات تو

تو ہمیدانی کہ چونم با تو من ۔ بیست چندانم کہ با باران چمن

زندہ از تو شاد از تو عائلے ۔ مغتذی بے واسطہ بے حائلے

متصل نے منفصل نے اے کمال ۔ بلکہ بیچون و چگونہ ز اعتدال

ماہیانیم و تو دریائے حیات ۔ زندہ ایم از لطفت اے نیکو صفات

تو نگنجے در کنارِ فکرتے ۔ نے بمعلولے قرین با علتے

پیش ازین طوفان و بعد از این مرا ۔ تو مخاطب بودۂ در ماجرا

با تو مے گفتم نه با ایشان سخن — اے سخن بخش نو و آن کهن

نے که عاشق روز و شب گوید سخن — گاه با اطلال و گاهے با دمن

روے در اطلال کرده ظاهرا — او کرا مے گوید این مدحت کرا

شکر طوفان را کنون بگماشتے — واسطه اطلال را بر داشتے

زانکه اطلال و لئیم و بد بدند — نے نداے نے صداے مے زدند

من چنان اطلال خواهم در خطاب — کز صدا چون کوه واگوید جواب ۵

تا مثنیٰ بشنوم من نام تو — عاشقم بر نام جان آرام تو

هر نبی زان دوست دارد کوه را — تا مثنیٰ بشنود نام ترا

آن کُه پست مثال سنگلاخ — موش را شاید نه ما را در مناخ

من بگویم او نگردد یار من — بے صدا ماند دم و گفتار من

با زمین آن به که هموارش کنے — نیست همدم با عدم یارش کنی

گفت ای نوح ار تو خواہی جملہ را — حشر گردانم بر آرم از ثرے

بہر کنعانے دل تو نشکنم — لیکت از احوال او آگہ کنم

گفت نے نے راضیم کہ تو مرا — ہم کنی غرقہ اگر باید ترا

ہر زمانم غرقہ میکن من خوشم — حکم تو جانست چون جان میکشم

ننگرم کس را وگر ہم بنگرم — او بہانہ باشد و تو منظرم

عاشق صنع تو ام در شکر و صبر — عاشق مصنوع کے باشم چو گبر

تفصیل قصہ کنعان اور نوح علیہ السلام یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ لسلام نے کنعان سے کہا کہ بیٹا تو مسلمان ہوجا اور اپنے باپ کی کشتی میں بیٹھ جا۔ تاکہ تو طوفان میں غرق ہونیسے محفوظ رہے اُس نے جواب دیا کہ نہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور نہ تمہاری کشتی کی مجھے ضرورت ہے اسلئے کہ مجھے تیرنا آتا ہے اور اس تاریکی سے نجات پانے کے لئے میرے پاس آپ کی شمع کے علاوہ ایک اور شمع ہے انھوں نے کہا بیٹا ایسا نہ کرو دیکھو یہ طوفان بلا کی موج ہے پیراک کے ہاتھ پاؤں آج بالکل کام نہیں دے سکتے یہ قہر و بلا کی آندھی ہے اسکے سامنے کوئی شمع تدبیر نہیں ٹھیر سکتی اسوقت تو صرف شمع حق اور تدبیر الٰہی ہی کی ضرورت ہے اور کوئی تدبیر مفید نہیں بس تم ایسی باتیں نہ کرو اور کہنا مان لو اس نے کہا اچھا لیجئے میں پہار پر چلدیا یہ اونچا پہاڑ مجھے بچا دے گا دیکھیں آپ کا طوفان میرا کیا کرتا ہے انھون نے کہا بیٹا ایسی باتیں نہ کرو آج پہاڑ ایک تنکے کے برابر بے حقیقت ہے اور حق سبحانہ اپنے

محبوب کے سوا کسی کو نہ بچاوینگے اُس نے کہا کہ ابا میں نے آپکی کبھی کوئی بات مانی ہے؟
کہ آج آپ کو یہ توقع ہے کہ میں آپ کی اولاد ہوں لہذا آپ کی بات مان لونگا مجھے آپکی
یہ باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں مجھے آپ سے کوئی واسطہ نہیں آپ میری خیرخواہی نہ کیجئے
اسپر بھی شفقت پدری کا جوش فرو نہ ہوا اور فرمایا کہ دیکھو بیٹا ایسی باتیں نہ کرو کہنا مانو یہ
ناز کا وقت نہیں خدا کا نہ کوئی رشتہ دار ہے نہ شریک کہ اُسکو اسکے ارادہ سے روک
سکے اب تک تم نے ناز کیا اور میں نے اٹھایا مگر یہ وقت نازک ہے درگاہ حق سُبحانہ
میں ناز نہیں چلتا۔ خیر مجھ سے تو تم پیدا ہوئے تھے اسلئے میں نے ناز برداری کی مگر
حق سبحانہ تو نہ کسی سے پیدا ہوئے نہ ان سے کوئی پیدا ہوا اُنکے تو نہ کبھی باپ ہوا نہ
نہ بیٹا نہ چچا ایسی حالت میں نہ بیٹوں کے ناز اٹھا سکتا ہے نہ باپوں کے حکموں کو مان سکتا
ہے کیونکہ وہ بیٹا اور باپ ہی نہیں رکھتا جو اسپر ناز کرے یا حکم کرے وہ تو یہ کہتا ہے
کہ بڑے میاں آپ نخرے نہ کریں اسلئے کہ میں کسی کا بیٹا نہیں ہوں کہ باپ کی
ناز برداری کا عادی ہو کر آپ کی ناز برداری کروں اور جوان صاحب آپ بھی کان کھولکر
سُن لیں کہ میں صاحب اولاد نہیں کہ انکی ناز برداری کا عادی ہونے کے سبب آپ کی
بھی ناز برداری کروں لہذا آپ مجھ سے اینٹھیں نہیں نیز اے عورت تو بھی سُن لے کہ میں
نہ شہوت رکھتا ہوں نہ میرے کوئی بیوی ہے کہ اسکی ناز برداری کے سبب تیری بھی ناز برداری
کروں پس تو ناز مت کر ہمارے یہاں کسی کا ناز نہیں چلتا یہاں تو صرف خشوع وخضوع
بندگی و بیچارگی چلتی ہے اور کوئی چیز یہاں وقعت نہیں رکھتی۔ اسپر اسنے کہا ابا جان
تم کو یہی کہتے برس گذر گئے اور کچھ بھی آپ کی نصیحت کارگر نہ ہوئی آپ بھی بڑے جاہل
ہیں کہ پھر بھی وہی باتیں کرتے ہیں آپ سوچئے تو سہی کہ آپ نے ہر شخص سے اسی قسم کی
کسقدر باتیں کی ہیں مگر اسکا نتیجہ یہی ہوا کہ آپ کو بہت مرتبہ روکھے جواب سننے پڑے
بالخصوص میں کہ آپکی غیر مؤثر نصیحت میں نے کبھی سُنی ہی نہیں پھر بھلا اب تو کیا سنونگا
کہ اب تو مجھے ہوش بھی آگئے ہیں اور نفع و نقصان کو سمجھنے بھی لگا ہوں اور بڑا بھی
ہو گیا ہوں اسپر بھی انھوں نے یہی کہا کہ میاں میں نے مانا کہ تم نے کبھی میری بات نہیں

سُنی لیکن اگر ایک مرتبہ میری بات مان لو تو کچھ حرج ہے غرض کہ وہ یونہی اسکو نرمی سے سمجھایا
کئے اور وہ اسیطرح سخت جواب دیتا رہا نہ تو حضرت نوح علیہ السلام کا ہی اسکی نصیحت سے جی
بھرا اور نہ اسی بدبخت نے کوئی بات مان کے دی اسی رد و کد میں تھے کہ موج آئی اور کنعان
کے سر سے ٹکرائی اور وہ پاش پاش ہو گیا اسپر حضرت نوحؑ نے حضرت حق سبحانہ میں التجا
کی کہ اے اللہ میرا گدہا بھی مرا اور سامان بھی رو میں بہ گیا یعنی اس طوفان میں کرچہ بھی مر گیا
اور میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا آپ نے تو بارہا مجھسے وعدہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے لوگوں کو بچاؤنگا
اور آپ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور اسی بنا پر مجھے امید کامل تھی کہ کنعان ہلاک نہ ہوگا لیکن
سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ غریب کا کمبل کیوں بہ گیا یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ آپ کا وعدہ جھوٹا
نہ تھا اور یہ میری سمجھ کی غلطی ہے مگر اسکی تفصیل دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حق سبحانہ نے
جواب دیا کہ وہ تمہاری اہل میں سے نہ تھا تم کو اہل اور غیر اہل میں امتیاز نہ ہوا اور محض ظاہر
کو دیکھکر تم نے اسکو اپنی اہل میں سے سمجھ لیا حالانکہ واقع میں ایسا نہیں اور تم کو اسکے بچاؤ
کی فکر نہ چاہیئے دیکھو جب تمہارے دانت میں کیڑا پڑ جاتا ہے تو اب وہ دانت نہیں رہتا اور
قابل انتفاع نہیں ہوتا بلکہ بجائے آرام دینے کے تکلیف دیتا ہے ایسے دانت کو دانت
سمجھکر رکھنا نہیں چاہیئے بلکہ اکھیڑ ڈالنا چاہیئے تاکہ بقیہ جسم کو اس سے تکلیف نہ ہو اگرچہ
وہ واقع میں تمہارا ہی جزو ہے لیکن اس سے قطع تعلق کرنا چاہیئے بس ایسا ہی کنعان کو
سمجھو کہ گو وہ تمہارے اہل میں سے تھا مگر نااہل تھا لہذا اسکا ڈوبنا ہی بہتر تھا یہ حکم سُنکر
حضرت نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں بجز آپکے سب سے قطع کرتا ہوں اور یہ جو آپکے
مطیعین ہیں یہ تو آپ ہی کے ہیں غیر نہیں ہیں اسلئے ان سے تعلق رکھتا ہوں اور وہ تعلق
بھی آپ ہی کی وجہ سے ہے لہذا آپ ہی سے ہے آپ خود جانتے ہیں کہ مجھ کو آپ سے
کیا تعلق ہے مجھکو آپ سے اس تعلق سے کہیں زیادہ تعلق ہے جو چمن کو بارش سے ہے
کیونکہ چمن کو جو تعلق استفاضۂ حیات و کمالات بارش سے ہے وہ تو محض تعلق تسبب
ہے اور مجھکو جو آپ سے تعلق ہے وہ حقیقی ہے پس کجا یہ کجا وہ میں آپ ہی کے ذریعہ سے
زندہ ہوں آپ ہی سبب مجھے خوش کرتے ہیں آپ ہی کا محتاج ہوں آپ ہی سے بلاواسطہ غذا حاصل کرتا ہوں

آپ مین یہ کمال ہے کہ نہ آپ متصل ہیں نہ منفصل کیونکہ اتصال و انفصال مادیات کی شان ہی نہ مجردات کی بلکہ آپکے مناسب تو بیچونی و بیچگونی ہے اسلئے آپ بیچون و بیچگون ہیں نیز آپ دریا اور منبع حیات ہین اور ہم مچھلیان اور آپ کے فیض سے زندہ نہ آپ کی کہنہ ذات عقل میں آسکتی ہے نہ آپ کو معلولیت کے سبب کسی علت سے اقتران ہے یعنی آپ کسی علت کے معلول نہیں طوفان سے پہلے بھی اور طوفان کے بعد بھی اس تمام قصہ تبلیغ میں میری مخاطب آپ ہی تھے اور اسنیا اور پُرانا کلام عطا کرنیوالے میری گفتگو آپ ہی سے تھی نہ ان لوگوں سے یعنی میری گفتگو درحقیقت تو انہیں سے تھی مگر چونکہ آپکی رضا کیلئے اور آپکے حکم کی تعمیل کیلئے تھی لہذا آپ ہی سے تھی آگے مولانا اس استبعاد کو مثال سے دور کرتے ہیں جو اس کلام سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ گفتگو کسی سے ہو اور مخاطب کوئی اور ہو چنانچہ فرماتے ہیں کہ دیکھو عاشق جو رات دن کبھی معشوق کے کھنڈرون کو مخاطب بناتا ہے اور کبھی کوڑی کو تو وہ جو ظاہر ان کھنڈرون وغیرہ کو مخاطب بناتا ہے تو تمہیں بتلاؤ کہ حقیقت میں یہ تعریف کس کی ہے کیا ان کھنڈرونکی نہیں بلکہ معشوق کی کیونکہ وہ جسقدر انکی تعریف کرتا ہے سب اُس معشوق کے تعلق کے سبب ہے لہذا درحقیقت وہ معشوق ہی کی تعریف ہی جب یہ معلوم ہوگیا تو اب کچھ استبعاد نہ رہا۔ اب حضرت نوح علیہ السلام کی گفتگو کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں آپ کا بیحد شکر ادا کرتا ہون کہ آپ نے طوفان کو مسلط کرکے ان بدبختون کو ہلاک کردیا اور ان کھنڈرون کے واسطہ کو اٹھا دیا کیونکہ یہ لوگ مثل کھنڈر اور بُرے یا بھی اور بہت بُرے تھے کہ نہ جواب ہی دیتے تھے نہ صدائے بازگشت ہی ان سے پیدا ہوتی تھی مجھے تو ایسے کھنڈرون اور وسائط کی ضرورت ہے کہ گفتگو میں پہاڑ کی طرح آواز بازگشت سے جواب دین یعنی میری پند ونصائح سے متاثر ہون میری دعوت کی اجابت کرین اور اس سے مجھے کوئی حظ نفس مقصود نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ آپ کے نام کو دوہرا سنون ایک مرتبہ اپنی زبان سے دوسری مرتبہ انکی زبان سے کیونکہ میں آپکی روح کو تسکین بخشنے والے نام پر عاشق ہون لہذا اسکے بار بار سننے کا اور زبان سے لینے کا شائق ہون تمام انبیاء جو پہاڑون سے محبت کرتے ہیں اُنکی وجہ یہی ہے کہ وہ انکے ذریعہ سے آپکے نام کو دوہرا سنتے

ہین جب وجہ محبت یہ ہے تو جو پہاڑ پست ہیں اور اسلئے کنکریلی زمین کے مشابہ ہیں کہ ان سے صدا بر آمد نہیں ہوتی وہ ہمارے مناسب نہیں ہیں بلکہ وہ جو ہونکے مناسب ہیں یعنے جو لوگ دین میں ہماری موافقت کریں وہ ہمارے مناسب نہیں بلکہ دنیا دارون کے مناسب ہین کیونکہ مین تو کہتا ہون اور وہ میری موافقت نہیں کرتا اس لئے میری بات بلا جواب کے رہجاتی ہے ایسے پہاڑون یعنی لوگوں کیلئے تو یہی بہتر ہوکہ آپ انکو کھود کر زمین کے برابر کردین یعنی ان کو فنا کردیں کیونکہ وہ دوست نہیں ہیں ان کو تو رفیق فنا ہی بنانا چاہیئے جب حق سُبحانہ کے سامنے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کامل اطاعت اور اُن کی قضا پر پوری رضامندی ظاہر فرمائی تو حق سبحانہ نے اُن کی یون عزت افزائی فرمائی اور یہ فرمایا کہ اے نوح چونکہ تم ہماری رضا کے تابع ہو اس لئے ہم بھی تمہاری رضامندی کا لحاظ کرینگے اگر تم کہو تو میں ابھی سب کو دوبارہ زندگی عطا کردون اور زمین میں سے اُن کو بحال لون میں کنعان کے لئے تمہاری دلشکنی نہ کرون گا لیکن مین اُسکی حالت تم کو بتلائے دیتا ہون اگر اسپر بھی تم یہی چاہو کہ کنعان زندہ ہوجاوے تو مین تمہاری خواہش کے پورا کرنے پر تیار ہوں اس پر انھون نے جواب دیا کہ مَیں کوئی ذاتی خواہش نہیں رکھتا مَیں تو آپ کی رضا کا تابع محض ہوں آپ نے جو کچھ کیا میں اسی پر رضامند ہون کیونکہ اگر آپ مجھے بھی غرق کردیں تو آپ کو شایان ہے اور میں اسپر بھی رضامند ہون بلکہ میں تو اسپر بھی رضامند ہوں کہ آپ مجھے ہر دم پیدا کریں اور ڈبوئیں۔ آپ کا حکم تو میری جان ہے بھلا میں جان کو کیسے ہلاک کرسکتا ہون اور اس حکم کے تبدیل کی درخواست کرکے اسے کیونکر فنا کرسکتا ہوں میرا مطمع نظر تو آپ ہی ہیں لہذا اول تو میں آپ کے سوا کسی پر نظر نہ کرونگا اور اگر کرونگا بھی تو وہ محض ایک آڑ ہوگا اور مقصود آپ ہی ہون گے مَیں تو حالت شکر اور حالت صبر یعنی تکلیف و راحت ہر دو حال میں آپ کے فعل پر عاشق ہون۔ مَیں کفار کی طرح مصنوع کا عاشق نہیں ہون۔

نوح علیہ السّلام کا اپنے لڑکے کو بلانا اور اسکا سرکشی کرنا اور کہنا کہ میں پہاڑ پر چڑھکر بچ جاؤنگا اور تمہارا احسان سر پر نہ رکھونگا

ہین بیا در کشتیٔ بابا نشین ۔۔۔ تا نہ گردی غرق طوفانِ مہین

11

یعنی (نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ) ارے آباپ کی کشتی میں بیٹھ جا تاکہ اسے ذلیل طوفان میں غرق نہ ہوجاوے۔

گفت نے من آشنا آموختم ۔۔۔ من بجز شمع تو شمع افروختم

یعنی وہ کنعان بولا کہ نہیں میں نے شناوری سیکھی ہے اور میں نے تمہاری شمع کے علاوہ ایک شمع جلائی ہے یعنی تم نے جو تدبیر نجات کی کی ہے اُسکے علاوہ میں نے اور تدبیر سوچی ہے اور وہ تدبیر یہی تھی کہ تیر کر بچنے کا قصد تھا تو نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ۔

ہین مکن کین موج طوفان بلاست ۔۔۔ دست و پا را آشنا امروز لاست

یعنی ارے ایسامت کر کیونکہ یہ طوفان بلا کی موج ہے تو آج ہاتھ پاؤں کی شناوری معدوم ہے مطلب یہ کہ ان سے کام نہ چلے گا اسلئے کہ۔

باد قہرست و بلائے شمع کش — جز کہ شمع حق نمی پاید خمش

یعنی یہ قہر کی ہوا ہے اور بلائے شمع کش ہے بجز شمع حق کے اور کوئی نہیں ٹھیر سکتی تو خاموش ہو۔ شمع سے مراد تدابیر نجات۔ مطلب یہ کہ یہ قہر حق کی ہوا ہے کہ یہ تمام تدابیر کو باطل کر دیتی ہے اور آج اُسکے آگے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ہان جو تدبیر کہ حق تعالے کی ارشاد کردہ ہو وہ اس ہوا میں قائم رہ سکتی ہے اور وہ تدبیر کشتی ہے کہ اسمین نجات مل سکتی ہے اسکے علاوہ اور کسی چیز سے آج نجات نہیں مل سکتی۔

گفت نے رفتم بران کوہ بلند — عاصم ست آن کہ مرا از ہر گزند

یعنی وہ بولا کہ نہین میں اُس بلند پہاڑ پر چلا جاؤنگا تو وہ پہاڑ مجھے ہر گزند سے بچانیوالا ہوگا یہ سُنکر پھر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ۔

ہین مکن کہ کوہ کاہ ست این زمان — جز حبیب خویش را ندہد امان

یعنی ارے ایسا مت کر کہ یہ پہاڑ اسوقت ایک تنکے کی برابر ہے حق تعالے سوا اپنے محبوب کے کسیکو امن نہیں دیگا۔

گفت من کے پند تو بشنودہ ام — کہ طمع کردی کہ من زین دودہ ام

یعنی وہ بولا کہ مین نے تمہاری بات کب سُنی ہے کہ تم کو طمع ہوگی کہ میں اس خاندان سے ہون۔

خوش نیامد گفت تو ہرگز مرا — من بری ام از تو در ہر دو سرا

یعنی مجھے تمہاری بات کبھی اچھی معلوم نہیں ہوتی میں تو تم سے دونون جہان میں بری ہوں مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ تم کو یہ طمع ہوگی کہ مین تمہارے خاندان سے ہون اسلئے تمہاری مان لونگا۔ تو سُن لو کہ مجھے تمہاری بات کبھی اچھی معلوم ہوئی ہی نہیں تو آج کیا اچھی معلوم ہوگی لہذا مین

تمہاری بات کبھی نہ مانونگا نوح علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ۔

ہین مکن با ما کہ روز ناز نیست　　　مر خدا را خویشی و انباز نیست

یعنی ارے ایسا ہمارے ساتھ مت کر یہ دن ناز کا نہیں ہے خدا کو قرابت اور شرکت نہیں ہے مطلب یہ کہ تو جو میرے اوپر ناز کر رہا ہے یہ گویا کہ حق تعالےٰ پر ناز ہے تو دیکھ تو سہی کہ آج ناز کا دن نہیں ہے بلکہ روز نیاز ہے اسلئے کہ حق تعالےٰ کو تو کسی سے قرابت اور اُسکا تو کوئی شریک نہیں ہے کہ جو سفارش کرے تو مان لیں اسلئے بس ناز کم کر اور چلا آ۔

تاکنون کردی و این دم نازکیست　　　اندرین درگاہ کسے را ناز کیست

یعنی تو ابتک تو ناز کرتا رہا مگر یہ وقت نازک ہے اس درگاہ میں کسی شخص کو ناز کب ہی مطلب یہ کہ ابتک تو تو ناز کرتا رہا اور اسی وجہ سے تو نے میری نہ مانی مگر دیکھ یہ وقت نازک ہے اسمیں کسی کی نہیں چلتی اور درگاہ حق میں کسیکو ناز کب ہوسکتا ہے اسلئے کہ ناز ہوتا ہی اولاد کو یا قرابت دار کو یا بیوی کو یا آباواجداد کو اور وہان یہ شان ہے کہ۔

لم یلد و لم یولد ست او از قدم　　　نے پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

یعنی وہ تو ہمیشہ سے لم یلد ولم یولد ہے نہ وہ باپ رکھتا ہے اور نہ فرزند اور نہ چچا۔

ناز فرزندان کجا خواہد کشید　　　یا ز بابایان کجا خواہد شنید

یعنی وہ لڑکوں کا ناز کب کھینچے گا (جبکہ اُسکے لڑکا ہی نہیں) یا وہ والدین کی کب سنے گا (جبکہ اسکے والدین ہی نہیں ہیں) انکا تو ارشاد ہے کہ۔

نیستم مولود پیرا کم بناز　　　نیستم والد جوانا کم گراز

یعنی میں مولود نہیں ہوں لہذا اے بڈھے تو ناز کم کر اور میں والد بھی نہیں ہون تو اے جوان

اکڑ مت مطلب یہ کہ شاید کوئی بڈھا یہ سمجھے کہ میں تو نعوذ باللہ حق تعالے کا بزرگ ہون جو کھونگا مان لینگے تو فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ مین کسیکا مولود نہیں ہون لہذا تم بھی اُمید مت رکھو کہ مجھ سے ناز کرکے بچ سکوگے اور شاید کسی جوان کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو اولاد ہیں ہمیں کچھ نہ کہیں گے جیسے کہ یہود کہتے ہیں تو یاد رکھو کہ فرماتے ہیں کہ مین کسیکا والد بھی نہیں ہون۔

نیستم شوہر نیم من شہوتی ناز را بگزار اینجا اے ستی

یعنی مین شوہر نہیں ہون اور مین شہوتی نہین ہوں تو اے عورت تو ناز کو اس جگہ چھوڑ دے مطلب یہ کہ اگر شاید کسی عورت احمق کو شبہ ہو تا کہ میں زوجہ حق ہون تو وہ بھی یاد رکھے کہ ارشاد ہے کہ مین کسیکا شوہر نہیں ہون لہذا معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی حق تعالے پر ناز نہیں کر سکتا بلکہ

جز خضوع و بندگی و اضطرار اندرین حضرت ندارد اعتبار

یعنی سوا ے خضوع اور بندگی اور اضطرار کے اس درگاہ میں اعتبار نہیں رکھتا بس جب یہ بات ہے تو نوح علیہ السلام نے کنعان سے فرمایا کہ تو ناز مت کر اسلئے کہ وہاں ناز کا کام ہی نہیں ہے ہاں عاجزی اور نیاز کا کام ہے لہذا یہ کر تاکہ رستگاری ملے یہ سب سُنکر وہ کہتا ہے کہ۔

گفت بابا سالہا این گفتہ باز می گوئی بجہل آشفتہ

یعنی بولا کہ اے بابا تو نے برسون یہ کہا ہے اور پھر کہہ رہا ہے تو کیا جہل میں ملا ہے مطلب یہ کہ تو نے بہت کہا مگر مین نے نہ مانا تو اب پھر کہنا نعوذ باللہ جہالت ہے۔

چند ازینہا گفتہ با ہر کسے تا جواب سرد بشنودی بسے

یعنی تم نے یہ باتیں ہر شخص سے کہی ہیں یہانتک کہ جواب سرد بہت سنے ہیں (مگر تم عجیب آدمی ہو کہ اس سے باز ہی نہیں آتے)

این دم سرد تو در گوشم نرفت　　　خاصہ اکنون کہ شدم دانا و زفت

یعنی تمہاری یہ سرد باتیں میرے کان میں کبھی نہیں گئیں اور خاصکر جبکہ میں دانا اور قوی ہوگیا ہوں مطلب یہ کہ بچپن میں تو جبکہ مجھے عقل و ہوش بھی کم تھا میں نے تمہاری سُنی ہی نہیں تو اب تو میں خوب عاقل ہوگیا ہوں اب تو تمہاری کیا سنونگا۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ۔

گفت بابا چہ زیان دارد اگر　　　بشنوی یکبار تو پند پدر

یعنی نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ اسے بابا کیا نقصان ہو جاویگا اگر تو ایک مرتبہ باپ کی نصیحت سُن لیگا مطلب یہ کہ فرمایا کہ خیر جو گذرا گذرا اب اگر ایک مرتبہ میری بات سن ہی لیگا تو یہ تو بتا کہ تیرا حرج ہی کیا ہو جاوے گا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنین میگفت او پند لطیف　　　ہمچنان میگفت او دفع عنیف

یعنی وہ تو اسیطرح نصیحت لطیف فرما رہے تھے اور وہ بھی اسیطرح دفع سخت کر رہا تھا یعنی وہ نصیحت فرما رہے تھے اور وہ سختی سے انکار کر دیتا تھا۔

نے پدر از نصح کنعان سیر شد　　　نے دمے در گوش آن ادبیر شد

یعنی نہ تو والد کنعان کی نصیحت سے سیر ہوئے اور نہ کوئی بات اس ادبار والے کے کان میں گئی ادبیر امالہ ہے ادبار کا مراد اہل ادبار یعنی وہ برابر نصیحت فرماتے رہے مگر اس نے بھی کچھ سُنکر نہ دیا۔

اندرین گفتن بدند و موج تیز　　　بر سر کنعان زد و شد ریز ریز

یعنی وہ اسی گفتگو میں تھے کہ موج تیز نے کنعان کے سر پر حملہ کیا اور اسکو ریزہ ریزہ کر دیا۔

نوح گفت اے بادشاہ بُردبار　　مرمرا خر مرد وسیلت بُرد بار

یعنی نوح علیہ السلام نے (جناب باری میں) عرض کیا کہ اے بادشاہ بُردبار میرا گدھا مر گیا اور سیل بوجھ کو لے گیا یہ ایک مثل ہے جب کسیکا بالکل خاتمہ اور فیصلہ ہو جاوے اسوقت بولتے ہیں مطلب یہ کہ بس اب تو بالکل فیصلہ ہو چکا ہے مگر ایک عرض یہ ہے کہ۔

وعدہ کردی مرمرا تو بارہا　　کہ بیابد اہلت از طوفان رہا

یعنی آپ نے بارہا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہارے اہل طوفان سے نجات پاوینگے۔

دل نہادم بر امیدت من سلیم　　پس چرا برد سیل از من گلیم

یعنی مجھ سیدھے سادھے نے آپکی اُمید پر دل رکھا تو پھر مجھ سے کمبل کو سیل کیوں لے گیا کمبل سے مراد لڑکا تھا مطلب یہ کہ آپ نے تو وعدہ فرمایا تھا کہ ہم تیرے اہل کو نجات دیدینگے تو پھر میرا لڑکا اس طوفان بلا میں کیوں آگیا مقصود اس سے دُعا کرنا تھا اس قصہ کو قرآن شریف میں بھی بیان فرمایا ہے وعدہ تو بیان ہے کہ ارشاد ہے کہ قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول ومن اٰمن۔ یعنی ہم نے نوح سے کہا کہ اُس کشتی میں ہر ایک جانور کے ایک ایک نر و مادہ اور اپنی اہل کو بجز انکے کہ جن پر قول غرق سابق ہو چکا ہے اور دیگر مومنین کو سوار کر لو تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل ناجی ہے آگے دُعا نقل فرماتے ہیں کہ ونادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین۔ یعنی نوحؑ نے حق تعالے کو پکارا کہا اے میرے رب میرا بیٹا تو میرے اہل ہی میں سے ہے اور آپکا وعدہ حق ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں تو جب اہل میں سے ہے تو اسکو تو موافق وعدہ نجات ہونی چاہیئے اسپر جواب ارشاد ہوتا ہے کہ یانوح انہ لیس من اھلک۔ یعنی اے نوحؑ وہ تمہاری اہل میں سے ہی نہیں ہے اہل سے نہ ہونے کی توجیہ تفاسیر میں مذکور ہے یہاں صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ نوح علیہ السلام کے اول فرمایا تھا

کہ تمہاری اہل نجات پاویگی مگر اُن میں سے وہ لوگ جن پر کہ قول غرق سابق ہو چکا ہے نجات نہ پاوینگے تو پھر نوح علیہ السلام نے کیوں دُعا کی جواب اسکا یہ ہے کہ یہ ارشاد تو ہوا تھا مگر اسکی تفصیل نہ فرمائی تھی کہ کون ایسا ہے جو ناجی نہ ہوگا لہذا احتمال سب میں تھا تو اگرچہ کنعان کے کافر ہونے کی وجہ سے سبقت قول معلوم ہوتا تھا مگر یہ شبہ بھی تھا کہ شاید نجات پاجاتا۔ تو اسکی تفسیر میں ابہام رہا اسلئے دُعا کی اُسپر جواب یہی ملا کہ وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم۔ یعنی جس امر کا تمہیں علم نہیں ہے اسکا سوال مت کرو تو یہ نوحؑ کی غلطی نہ تھی بلکہ تفسیر میں ابہام تھا اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم قیام ساعۃ تھا مگر اسکا علم نہ تھا کہ کب قائم ہوگی اسیطرح یہ تو علم تھا کہ غیر مومنین اہل ناجی نہ ہونگے باقی یہ کہ وہ کون کون ہیں اسکا علم نہ تھا لہذا دعا کی تو وہاں سے ارشاد ہوا کہ تم اسکا سوال مت کرو کہ جسمیں جانب مخالف کا بھی احتمال تھا۔ اس سے تو سوال ہی نہ کرنا چاہیئے تھا تو نوحؑ نے کوئی اعتراض نہیں کیا جس سے کہ اعتراض پڑ سکے خوب سمجھ لو پس جب نوحؑ نے یہ عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ۔

گفت او از اہل خویشانت نبود — خود ندیدی تو سفیدی از کبود

یعنی ارشاد ہوا کہ وہ تمہارے (اُس) اہل میں سے نہ تھا (جسکا ناجی ہونا مقدر ہو چکا تھا) اور تم نے خود سفیدی کو کبود سے ممتاز نہیں کیا۔ مطلب یہ کہ تم نے دونوں میں فرق نہیں کیا بلکہ سبکو اہل میں ہی داخل سمجھا حالانکہ جو کفار تھے وہ اس اہل میں داخل نہ تھے جنکی نجات کا وعدہ تھا اور وہ اہل مومنین ہی تھے اور جب یہ کنعان مومن نہ تھا تو یہ اس قابل ہی نہ تھا کہ اسکو نجات ملے بلکہ یہ تو اسی قابل تھا کہ یہ ہلاک کیا جاوے اسکی آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ در دندان تو کرم افتاد — نیست دندان بر کنش ای اوستاد

یعنی جبکہ تمہارے دانت میں کیڑا پڑ گیا تو وہ دانت ہی نہ رہا اے استاد اسکو اکھاڑ دو۔

تاکہ باقی تن نہ گردد زار ازو — گرچہ بود آن تو شو بیزار ازو

یعنی تاکہ اُس سے باقی تن بھی خراب نہ ہوجاوے تو اگرچہ وہ تمہاری ملک ہے تم اس سے بیزار ہوجاؤ تو اسیطرح جبکہ یہ کنعان مومن نہ تھا تو اگرچہ یہ اولاد ہی کیون نہ ہو اس سے بیزار ہوجاؤ خوب کہا ہے کہ ؎

بیزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد + فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

جب یہ ارشاد ہوا تو نوح نے عرض کیا کہ۔

گفت بیزارم زغیر ذات تو غیر نبود آنکہ او شد مات تو

یعنی نوحؑ نے عرض کیا کہ (اے اللہ) مین تیری ذات کے سوا سب سے بیزار ہوں اور جو کہ تیرا مطیع ہوگیا وہ غیر نہیں ہے صوفیہ کی اصطلاحات اکثر محاورات کے تابع ہوتی ہیں اور اُنکی اصطلاحات علوم منطقیہ کے موافق نہیں ہیں تو غیر محاورہ مین کہتے ہیں اسکو جو بے تعلق ہو مثلاً بولتے ہیں کہ فلاں شخص تو غیر نہیں ہے تو اس غیر سے مراد مقابل عین نہین ہے بلکہ اس سے مراد غیر تعلق والا ہے تو چونکہ نوحؑ کی اس دعا سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکو اپنی اولاد سے بہت محبت ہے اور بہت تعلق ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ اے الٰہی میں تیری ذات کے سوا سب سے بیزار ہون اب یہان یہ شبہ ہوا کہ مومنین کے لئے تو آپ دُعا بھی فرماتے تھے لہذا فرماتے ہیں کہ جو کہ آپ سے تعلق رکھنے والا ہے اور آپ کا مطیع ہے وہ چونکہ غیر نہیں ہے اس لئے اس سے تعلق رکھتا گویا کہ تعلق بحق ہے۔

تو ہمے دانی کہ چونم با تو من بیست چندانم کہ باران با چمن

یعنی آپ تو جانتے ہین کہ میں آپ کے ساتھ کیسا ہون میں ایسا ہون جیسا کہ بارش کے ساتھ چمن مطلب یہ کہ جس طرح کہ چمن کو باران کے ساتھ تربیت کا تعلق ہوتا ہے اُس سے کہیں زیادہ آپ سے مجھے تعلق ہے تو پھر میں کسی دوسرے پر کیون نظر کرونگا۔

زندہ از تو شاد از تو عائلے مغتذی بے واسطہ بے حائلے

یعنی آپ ہی سے زندہ ہون اور آپ ہی سے شاد ہون اور ایک محتاج ہون اور بے واسطہ اور بے حائل کے غذا حاصل کرنے والا ہون۔

متصل نے منفصل نے اے کمال بلکہ بیچون و چگونہ و اعتلال

یعنی نہ متصل ہیں اور نہ منفصل ہیں اے کامل بلکہ بیچون وچگونہ اور علت و معلولیت کے مطلب یہ کہ صوفیہ کرام حق تعالےٰ اور بندہ کے درمیان مین صرف واسطہ صانعیت و مصنوعیت ہی نہیں کہتے اور وہ صرف واسطہ فی الاثبات ہی نہیں مانتے بلکہ یہ حضرات ایک اور واسطہ بھی مانتے ہیں جو کہ اسکے علاوہ ہے مگر اسکو یہ حضرات الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے صرف اشارات سے کام لیتے ہیں ہاں وہ وجدانی اور ذوقی امر ہے جسکو مکشوف ہو جاوے وہی اسکو معلوم کر سکتا ہے تو اسیطرح فرماتے ہیں کہ میں نہ تو آپ سے بالکل ہی متصل ہون اور نہ منفصل ہون اور میرے آپ کے درمیان میں نہ علیت اور معلولیت کا واسطہ ہے بلکہ وہ واسطہ ایسا ہے کہ جس کو الفاظ سے بیان کرنا مشکل ہے صرف مثالون سے اسکو بیان کیا جا سکتا ہے لہذا اس کے آگے مثال فرماتے ہیں کہ

ماہیانیم و تو دریائے حیات زندہ ایم از لطفت ای نیکو صفات

یعنی ہم مچھلیان ہیں اور آپ آب حیات ہیں تو ہم آپ ہی کے لطف سے زندہ ہیں اے نیکو صفات۔

تو نگنجی در کنار فکرتے نے بمعلولے قرین چون علتے

یعنی آپ کنار فکر مین بھی نہیں سما سکتے نہ آپ علت کی طرح کسی معلول کے قرین ہیں مطلب یہ کہ مخلوق ہیں اور آپ میں جو علاقہ ہے وہ علاقہ معلول و علت کا نہیں ہو نہ آپ فکر ناقص انسانی مین سما سکتے ہیں بلکہ آپ سبسے بالا اور برتر اور ارفع ہیں سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پیش ازین طوفان و بعد این مرا — تو مخاطب بودهٔ در ماجرا

یعنی اس طوفان سے پہلے اور بعد اسکے (ہمیشہ) آپ ہی گفتگو میں میرے مخاطب رہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ میں نے جب کلام کیا ہے وہ سب آپ ہی کے لئے تھا اسلئے گویا کہ دوسرے سے کلام ہی نہیں کیا اور تمام کاموں سے آپ ہی مقصود تھے تو اور جس سے بھی کلام کیا یا واسطہ [illegible] مقصودیت کو نہیں پہونچا۔ اور [illegible] طوفان کے جب اور سب لوگ ہلاک ہو گئے میں آپ [illegible]

با تو مے گفتم نہ با ایشان سخن — اے سخن بخش نو و آن کہن

یعنی میں تو آپ سے ہی بات کرتا تھا نہ کہ اُن سے اے نئی بات کے بخشنے والے اور اُس پُرانی کے مطلب یہ کہ درجہ مقصودیت میں تو ہمیشہ آپ ہی میرے مخاطب رہے ہیں باقی بظاہر اوروں سے جو گفتگو ہوئی تھی اسکی مثال دیتے ہیں کہ۔

نے کہ عاشق روز و شب گوید سخن — گاہ با اطلال و گاہے با دمن

یعنی کیا عاشق دن رات ٹیلوں اور جنگلوں سے باتیں نہیں کیا کرتا جیسے کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ کہتے ہیں کہ ؎

ایا منزلے سلمے سلام علیکما + ہل الازمن اللاتی مضین رواجع۔ مگر

روئے در اطلال کردہ ظاہرا — او کرا می گوید این مدحت کرا

یعنی ظاہر تو وہ ٹیلوں میں توجہ کئے ہوتے مگر وہ یہ مدح کس کی کر رہا ہے کسکی۔ ظاہر ہے کہ مقصود اس سے مدح معشوق ہوتی ہے بس اسیطرح اگرچہ میں ان سے باتیں کرتا تھا مگر چونکہ آپ کے واسطے ہوتی تھیں لہٰذا گویا کہ آپ ہی میرے مخاطب ہوتے تھے لیکن۔

شکر طوفان را کنون بگماشتے — واسطہ اطلال را برداشتے

یعنی شکر ہے کہ آپ نے اب طوفان کو مقرر فرما کر اُن اطلال کے واسطے کو اٹھا دیا دبس اُب بلاواسطہ آپ سے مناجات کرونگا)

زانکہ اطلال ولئیم و بد بُدند نے ندائے نے صدائے میزوند

یعنی اسلئے کہ وہ صرف ٹیلے اور لئیم اور بد ہی تھے نہ وہ ندا کرتے تھے نہ صدا کرتے تھے مطلب یہ کہ پہاڑ مین اگر بولتا ہے تو وہ گونجتا ہے اور اس میں سے دوبارہ بھی آواز جو اس نے کی پیدا ہوتی ہے اور اُس سے اُنس ہوتا ہے مگر وہ ایسے تھے کہ میں تو آپ کا ذکر کرتا تھا اور ان میں حرکت بھی نہ ہوتی تھی اگر وہ بھی میرا ساتھ دیتے تو ان سے اُنس ہوتا اب تو بہتر ہوا کہ ہلاک ہوگئے۔

من چنان اطلال خواہم در خطاب کز صدا چون کوہ واگوید جواب

یعنی مین تو خطاب کے لئے ایسے اطلال کو چاہتا ہون کہ صدا سے پہاڑ کی طرح جواب دیں۔

تا مثنیٰ بشنوم من نام تو عاشقم بر نام جان آرام تو

یعنی تا کہ میں آپکا نام دوبارہ سنوں۔ میں تو آپ کے نام جان آرام پر عاشق ہون۔ مطلب یہ کہ مجھے تو ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو کہ میرا ساتھ آپکے ذکر مین دے تاکہ ایکمرتبہ تو میں آپ کا نام مبارک لون اور دوسری مرتبہ وہ آپ کا نام لے تو آپ کے نام کو میں دوبارہ سنون اور مجھے دونا مزہ آوے۔

ہر نبی زان دوست دارد کوہ را تا مثنیٰ بشنود نام ترا

یعنی ہر نبی اسلئے پہاڑ کو دوست رکھتا ہے تاکہ آپکے نام مبارک کو دوبارہ سنے مطلب یہ کہ چونکہ پہاڑ مین گونج پیدا ہونے سے جو الفاظ کہ متکلم بولتا ہے ویسی ہی آواز اس میں سے بھی نکلتی ہے تو اسی لئے انبیاء علیہم السلام پہاڑون میں رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ وہ ذکر کرین

اور اُس مین سے دوبارہ ویسی ہی آواز پیدا ہونے سے انکا دوہرا لطف آتا ہے انبیاء کا پہاڑ کو محبوب رکھنا کہین منقول تو ہے نہیں مگر انکے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اول ان حضرات کو خلوت پسند ہوتی ہے تو وہ اکثر غارون اور پہاڑون میں ہی قیام کرتے ہیں باقی آمین اس مصلحت کا ہونا یہ صرف ایک نکتہ ہے تو بس واسطہ ایسا ہو جو کہ انکے ساتھ وہ بھی ذکر حق کرے۔

آن کہ پست مثال سنگلاخ — موش را باید نہ مارا درمناخ

یعنی وہ پہاڑ سنگلاخ کی طرح موش کو قیام گاہ کے لئے چاہیئے نہ ہم کو مطلب یہ کہ جسمین سے کہ آواز پیدا نہ ہو اور وہ ذکر میں ساتھ نہ دے ایسے واسطہ کی ضرورت تو دنیا دارون کو جو کہ عالم ناسوت میں رہکر پستی میں پڑے رہنے میں موش کی طرح ہیں ضرورت ہے باقی ہمیں ایسے لوگون کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ۔

من بگویم او نگرود یار من — بے صدا ماند دم وگفتار من

یعنی میں تو کہتا ہون اور وہ میرا ساتھ نہیں دیتا تو میری بات اور گفتار بھی بے صدا کے رہجاتی ہے یعنی وہ جوش اور شوق میرے اندر بھی نہیں رہتا اسلئے کہ انکو دیکھکر طبیعت مرجھا جاتی ہے

باز مین آن بہ کہ ہموارش کنے — نیست ہمدم با عدم یارش کنے

یعنی یہ بہتر ہے کہ آپ اسکو زمین کے ہموار کر دین اور وہ ہمدم نہیں ہے تو اسکو عدم کے ساتھ مقرون فرما دین مطلب یہ کہ ایسے کو تو ہلاک کر دینا ہی بہتر ہے یہانتک حضرت نوحؑ کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ انکو رنج ہے مگر حق تعالےٰ کے سامنے سب کو ہیچ سمجھے ہوئے ہیں اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

گفت ای نوح ار تو خواہی جملہ را — حشر گردانم برآرم از ثری

یعنی فرمایا کہ اے نوحؑ اگر تم چاہو تو مین سب کو زندہ کر دون اور زمین سے نکالدون۔

بہر کنعانے دل تو نشکنم لیکت از احوال آگہ مے کنم

یعنی مین ایک کنعان کے واسطے تمہاری دل شکنی کرنا نہیں چاہتا لیکن آپ کو احوال سے آگاہ کرتا ہون یعنی آپ کو بتا دیا ہے ورنہ آپ کی دل شکنی منظور نہیں ہے اگر آپ کہیں تو سب کو زندہ کر دون۔ اللہ اکبر کیا رحمت ہے اور کیسی شفقت ہے اور دوسری طرف رضا اور تسلیم اور انقیاد ملاحظہ ہو کہ یہ سُنکر حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ۔

گفت نے نے راضیم کہ تو مرا ہم کنی غرقہ اگر باید ترا

یعنی انھون نے عرض کیا کہ نہیں نہیں میں تو راضی ہون کہ اگر آپ چاہیں تو مجھے بھی غرق کر دیں۔

ہر زمانم غرقہ مے کن من خوشم حکم تو جانست چون جان میکشم

یعنی آپ مجھے ہر گھڑی غرق فرمادین آپ کا حکم تو جان ہے میں اسکو جان کی طرح کھینچتا ہون۔

ننگرم کس را وگر ہم بنگرم او بہانہ باشد و تو منظرم

یعنی میں کسیکو نہیں دیکھتا اور اگر دیکھون بھی تو وہ بہانہ ہوگا اور آپ میرے منظر ہونگے۔

عاشق صنع توام در شکر و صبر عاشق مصنوع کے باشم چو گبر

یعنی میں تو آپکے افعال کا شکر و صبر کے ساتھ عاشق ہون اور میں بُت پرست کی طرح مصنوع کا عاشق کب ہونگا تو یہ اغراق وغیرہ تو آپ کا فعل ہے اسپر تو مین راضی اور خوش ہون اور یہ اولاد اور دوسرے لوگ سب مصنوع ہیں تو اُن کو بحیثیت مصنوعیت کے مقصود نظر سمجھنا تو کفر ہے لہذا میں ان پر ہرگز نظر نہیں کرتا۔ مولانا فرماتے ہین کہ۔

عاشق صنع خدا با فر بود عاشق مصنوع او کافر بود

یعنی افعال حق کا عاشق تو باعزت ہوتا ہے اور انکے مصنوع کا عاشق کافر ہوتا ہے اسلئے کہ جب اُس نے مصنوع کو مقصود سمجھا تو لامقصود الا اللہ کے درجہ میں یہ شخص کافر ہوگا اور فرماتے ہیں کہ

درمیان این دو فرقے بس خفی است خود شناسد آنکہ در رویت صفی ست

یعنی ان دونوں کے درمیان میں فرق بہت خفی ہے وہ شخص خود جانتا ہے جسکی نظر میں صفائی ہے مطلب یہ کہ مصنوع اور صنع پر نظر کرنا اور ان میں پھر مقصودیت نہ ہونا ایسا امر ہے کہ جو محض مخفی ہی اور وجدانی امر ہے اسکو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو مکشوف ہوگیا ہے۔ آگے وہ حدیثوں کے درمیان توفیق بیان فرماتے ہیں جسکا اول حاصل سمجھ لو کہ ایک تو حدیث ہے کہ الرضاء بالکفر کفر۔ کفر پر راضی ہونا کفر ہے اور دوسری حدیث ہے کہ من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی فلیطلب ربا سوائی۔ یعنی جو کہ میری قضا پر راضی نہ ہوا اور میری بلا پر صبر نہ کرے اسکو چاہیئے کہ کوئی دوسرا رب تلاش کرلے تو ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے جواب اسکا یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شئے پر حکم کسی حیثیت کے اعتبار سے ہوتا ہے تو محکوم علیہ وہ حیثیت ہوا کرتی ہے بس اب سمجھو کہ کفر من حیث ہو مخلوق اللہ وفعل اللہ تو حسن ہے اور من حیث ہو فعل العبد قبیح و مذموم ہے اور بحیثیت فعل حق ہونیکے تو کفر قضا ہے اسپر تو راضی رہنا اور اسکو حسن سمجھنا فرض ہے مگر بحیثیت اسکے فعل عبد ہونے کے قضا نہیں ہے بلکہ مقتضی ہے تو اسکو حسن سمجھنا اور اسپر راضی رہنا ضروری نہیں ہے تو اب یہ کہنا کہ من لم یرض بقضائے الخ بھی صحیح ہے اور الرضاء بالکفر الخ بھی صحیح ہے کہ کفر پر بحیثیت قضا ہونے کے تو راضی رہنا فرض کہ وہ فعل حق ہے اور اس درجہ مین وہ حسن ہے مگر فعل عبد کی حیثیت سے تو وہ قضا ہے ہی نہیں وہ تو مقتضی ہوگیا اب وہ حسن نہیں رہا۔ خوب سمجھ لو اب اشعار سے بھی سمجھ لو۔

شرح حبیبی

عاشق صنع خدا با فر بود — عاشق مصنوع او کافر بود

درمیان این دو فرقے بس خفیست — خود شناسد آنکه در رویت صفیست

دے سوالے کرد سائل مرمرا — زانکہ عاشق بود او بر ماجرا

گفت نکتہ الرضا بالکفر کفر — این پیمبر گفت و گفت اوست مہر

باز فرمود او کہ اندر ہر قضا — مر مسلمان را رضا باید رضا

نے قضائے حق بود کفر و نفاق — گر بدین راضی شوم باشد شقاق

ور نیم راضی بود آن ہم زیان — پس چہ چارہ باشدم اندر میان

گفتمش این کفر مقضی نے قضاست — ہست آثار قضا این کفر راست

پس قضا را خواجہ از مقضی بدان — تا شکالت حل شود اندر جہان

راضیم بر کفر زان رو کہ قضاست
نے ازان رو کہ نزع و کفر ماست

کفر از روئے قضا خود کفر نیست
حق را کافر مخوان اینجا بایست

کفر جہل ست و قضائے کفر علم
ہر دو یک کے باشد آخر حلم و خلم

زشتی خط زشتی نقاش نیست
بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

قوت نقاش باشد آنکہ او
ہم تواند زشت کردن ہم نکو

گر کشائم بحث این را من بساز
تا سوال و تا جواب آید دراز

ذوق نکتہ عشق از من میرود
نقش خدمت نقش دیگرے شود

آن یکے مرد دو مو آمد شتاب
پیش یک آئینہ دار مستطاب

گفت از ریشم سفیدی کن جدا
کہ عروس نو گزیدم اے فتا

ریش او ببرید و کل پیشش نہاد
کہ تو بگزین چون مرا کاری فتاد

این سوال و این جواب ست اے گزین
کہ سر اینہا ندارد مرد دین

این یکے زد سیلیے مر زید را
حملہ کرد او ہم برائے کید را

گفت سیلی زن سوالے میکنم
پس جوابم گوئی وانگہ مے زنم

بر قضائے تو زدم آمد طراق
یک سوالے دارم اینجا در وفاق

این سوال از تو ہمے پرسم بگو
حل کن اشکال مرا اے نیکخو

این طراق از دست من یا دست یا
از قفاگاہِ تو اے فخر کیا

گفت از درد این فراغت نیستم
کہ درین فکر و تامل بیستم

۲۷

تو کہ بیدردی ہمی اندیش این
نیست صاحب درد را این فکر ہین

دردمندان را نباشد فکر غیر
خواہ در مسجد برو خواہے بدیر

غفلت و بیدردیت فکر آورد
در خیالت نکتۂ بکر آورد

جز غم دین نیست صاحب درد را
مے شناسد ہر درا او گرد را

حکم حق را بر سر درد نہد
حفظ و فکر خویش یکسو مے نہد

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق صنع الٰہی نہایت اچھی چیز ہے اور عاشق فعل حق نہایت با شکوہ برخلاف اسکے عشق مصنوع نہایت مذموم ہے اور عاشق مصنوع بمنزلہ کافر کے ہے ان دونوں میں بہت باریک فرق ہے اسکو صاحب بصیرت صافیہ ہی سمجھ سکتا ہے اور اسکی خفا کی تصدیق تم کو اس واقعہ سے ہوگی کہ کل ایک شخص نے چونکہ وہ تحقیق واقعہ کا نہایت شایق تھا مجھ سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الرضاء بالکفر کفر اور آپ کا ارشاد سند ہے اسکے بعد فرمایا کہ ہر مسلمان کو قضاء الٰہی پر رضامند ہونا چاہیئے اب آپ فرمایئے کہ کیا کفر و نفاق قضائے الٰہی نہیں۔ جبکہ یہ قضاء الٰہی ہیں تو ان پر بحکم حدیث ثانی رضامند ہونا چاہیئے پس اگر اسپر راضی ہوتا ہوں تو حدیث اول کی مخالفت ہے اور اگر راضی نہیں ہوتا تو یہ بھی نقصان ہے کہ حدیث اول کے خلاف ہے اب میں بیچ میں پھنسکر رہگیا ہوں نہ ادہر ہی جا سکتا ہوں نہ اُدہر بس آپ فرمائیں کہ میں کیا کروں میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ تم کو خفا کے سبب صنع اور مصنوع اور قضا اور مقضے میں تمیز نہیں ہوئی اس وجہ سے یہ اشکال عارض ہوا کفر قضا نہیں کیونکہ وہ فعل حق سبحانہ ہے بلکہ کفر مقضے ہے اسلئے کہ فعل عبد ہے اور یہ کفر عین قضا نہیں بلکہ اثر قضا ہے پس تم کو قضا اور مقضی میں فرق کرنا چاہیئے تاکہ تمہارا شبہ حل ہوجاوے اور یوں کہو کہ مین کفر سے راضی ہوں اس حیثیت سے کہ آپ کے قضا کا اثر ہے اور اس حیثیت سے اُس سے راضی نہیں ہوں۔ کہ وہ آپ کے ساتھ بغاوت اور ہمارا کفر اور ہمارا فعل ہے پس دونوں حدیثوں پر عمل ہوگیا۔ حدیث ثانی پر تو ظاہر ہے اور حدیث اول پر اسلئے کہ کفر بحیثیت اثر قضا ہونے کے کفر ہی نہیں کیونکہ خلق کفر اور قضائے کفر کفر نہیں ورنہ نعوذ باللہ خدا کا کافر ہونا لازم آئے گا۔ پس تم اسکو کفر نہ کہو۔ اور خدا کو کافر کہنے سے بچو اور قضائے کفر کفر ہو کیونکر سکتی ہے اس لئے کہ کفر تو جہل ہے اور قضائے کفر علم و حکمت پس دونوں حلم و غضب کی طرح ایک دوسرے کی نقیض ہونگے اور ایک نہ ہونگے اگر اسپر شبہ ہو کہ قضائے کفر علم و حکمت کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ خدا کی نسبت کیسے ہوگا تو اسکو یوں سمجھو کہ اگر کوئی خوشخطی کا اوستاد کامل بُرے حروف لکھے تو وہ اوستاد کی زشتی نہ ہوگی بلکہ زشت الفاظ ہونگے مگر اس سے وہ بُرائی کی صفت استاد تک سرایت نکریگی

اور وہ بُرا نہ ہوگا بلکہ یوں کہا جاویگا کہ اُس نے بُرے کی بُرائی ظاہر کی اور یہ اُس کا نقص سمجھا جاویگا بلکہ یہ اسکی قدرت تامہ اور کمال تام ہے کہ وہ اچھے کو بُرا بھی بنا سکتا ہے یعنی جسطرح وہ اچھا لکھ سکتا ہے یوں ہی بُرا بھی لکھ سکتا ہے بس میں اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اسلئے کہ اگر میں مفصل بحث کرتا ہوں جسمیں بہت سے سوال وجواب ہوں اور اس وجہ سے وہ دراز ہوجاوے تو ذوق عشق میرے ہاتھ سے جاتا ہے اور اب جو میں خدمت بندگان خدا میں معروف ہوں یا طاعت الٰہی میں مشغول ہوں یہ صورت مثلکر دوسری صورت پیدا ہوئی جاتی ہے کیونکہ مجھے نفس کی مداخلت کا اندیشہ ہے یا یوں کہو کہ یہ جسقدر میں نے کہا ہے اور کہہ رہا ہوں یہ تو بالہام حق ہے اور مزید تفصیل کے متعلق الہام ہوا نہیں پس اگر میں زیادہ بیان کرونگا تو اسمیں اپنی فہم سے کام لینا پڑیگا اور اس میں مشغولیت کے سبب حق سبحانہ کی طرف سے توجہ ہٹے گی اور اس سے عشق میں نقصان آنا ظاہر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے اس ذوق میں کمی آئے۔ لہذا مزید تفصیل سے معذور ہوں اب اسکے مناسب ایک قصہ سُن جس سے میری معذوری خوب ظاہر ہوجاوے۔ ایک شخص جسکے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ تھے وہ ایک حجام کے پاس آیا اور کہا کہ میری ڈاڑھی میں سے سفید بال نکال دے کیونکہ میں نے نئی شادی کی ہے مبادا دلہن کو نفرت ہوجاوے اُس نے ساری ڈاڑھی مونڈ کر سامنے رکھدی اور کہا کہ مجھے تو فرصت نہیں کیونکہ ایک ضروری کام آپڑا ہے آپ خود چن لیجئے بس یہی حالت طالب دین کی ہوتی ہے اور وہ سوال وجواب کی طرف اصلا التفات نہیں کرتا۔ اسکی مثال ایسی ہوتی ہے۔ جیسے کسی شخص نے ایک شخص کے تھپڑ مارا اس نے بھی چالاکی سے اسپر حملہ کرنا چاہا تو اُس تھپڑ مارنے والے نے کہا کہ میں ایک سوال کرتا ہوں پہلے تم اُسکا جواب دیدو اسکے بعد مجھے مار لینا یہ تو ظاہر ہے کہ میں نے تمہاری گدی پر تڑاق سے تھپڑ مارا ہے اسکے متعلق مجھے ایک بات بغرض تحقیق دریافت کرنی ہے وہ یہ کہ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں اور آپ میرے اس شبہ کو حل فرمائیں کہ تڑاق میرے ہاتھ سے ہوا تھا یا آپ کی گدی سے اسکے جواب میں وہ یہی کہے گا کہ تکلیف کے سبب مجھے اتنی مہلت نہیں کہ اس معاملہ میں غور وخوض کروں تم کو تکلیف نہیں ہے لہذا تم خود ہی سوچے جاؤ پس صاحب جسکو تکلیف ہوگی اور اپنی مصیبت

یں مبتلا ہوگا وہ کسی مخمصہ میں نہ پڑیگا اور جو اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں وہ دوسرے کی فکر میں نہیں پڑتے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم خود ہی مصیبت میں مبتلا ہیں ہماری بلا سے خواہ تم مسجد میں جاؤ یا بتخانہ میں غفلت اور بیدردی ہی کی یہ خاصیت ہے کہ تم افکار لایعنی میں مبتلا ہوتے ہو۔ اور وہ ہی تمہارے خیال میں نفیس نفیس مضامین پیدا کرتی ہے جسکو اپنی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اسکو تو سوائے دین کی فکر کے اور کوئی بھی فکر نہ ہوگی اور وہ مقصود اور غیر مقصود میں تمیز کریگا بس اسکا کام تو یہ ہوگا کہ حکم خداوندی کو سر پہ رکھے گا۔ اور اپنی کسی غیر اہم شے کو یاد کرنے اور اسکو سوچنے کو ایک طرف رکھے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے درمیان میں توفیق کہ الرضا بالکفر کفر اور دوسری حدیث کہ من لم یرض بقضائے ولم یصبر علی بلائے فلیطلب ربًا سوائے

وے سوالے کرد سائل مر مرا ـ زانکہ عاشق بود او بر ماجرا

یعنی کل ایک سائل نے مجھ سے ایک سوال کیا اسلئے کہ وہ بحث و مباحثہ کا عاشق تھا۔

گفت نکتہ الرضا بالکفر کفر ـ این پیمبر گفت و گفت او ست مہر

یعنی اس نے کہا الرضا بالکفر کا نکتہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور آپ کا قول مہر ہے

یعنی ثابت ہے۔

باز فرمود او کہ اندر ہر قضا　　مر مسلمان را رضا باید رضا

یعنی پھر آپ نے ہی فرمایا ہے کہ ہر قضا میں مسلمان کو رضا چاہیئے رضا۔

نے قضائے حق بود کفر و نفاق　　گر بدین راضی شوم باشد شقاق

یعنی تو کیا کفر و نفاق قضائے حق نہیں ہے تو اگر میں اُس پر راضی ہوتا ہوں تو یہ تو خلاف حق ہے۔

ور نیم راضی بود آن ہم زیان　　پس چہ چارہ باشدم اندر میان

یعنی اور اگر راضی نہیں ہوتا ہوں تو یہ بھی نقصان ہے تو اب درمیان میں میرا کیا علاج مطلب یہ کہ اب نہ ادہر ہٹ سکتے ہیں اور نہ ادہر بڑھ سکتے ہیں تو بتاؤ کہ کیا کریں۔

گفتمش این کفر مقضے نے قضاست　　ہست آثار قضا این کفر راست

یعنی میں نے اُس سے کہا کہ یہ کفر تو مقضی ہے نہ کہ قضا ہے اور یہ کفر تو ٹھیک آثار قضا میں سے ہی

پس قضا را خواجہ از مقضے بدان　　تا شکالت دفع گردد در زمان

یعنی پس اے خواجہ قضا کو مقضے سے (ممتاز کرکے) جان تو تاکہ تمہارا اشکال اسیوقت دفع ہوجاوے تو جب وہ قضا نہیں بلکہ مقضے ہے تو وہ رضا کا محکوم علیہ بھی نہیں ہے آگے بر تقدیر تسلیم ایک دوسرا جواب دیتے ہیں کہ۔

راضیم بر کفر زان رو کہ قضاست　　نے ازان رو کہ نزاع و خبث ماست

یعنی میں کفر پر اس حیثیت سے کہ وہ قضا ہے راضی ہوں نہ اس حیثیت سے کہ ہماری خباثت اور نزاع ہے مطلب یہ کہ اگر مان بھی لیں کہ کفر قابل رضا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اس حیثیت سے

کہ فعل حق ہی قضا ہے اور اسپر ہم راضی بھی ہیں مگر اس حیثیت سے کہ وہ فعل عبد ہے ہم راضی نہیں ہیں۔

کفر از روئے قضا خود کفر نیست — حق را کافر مخوان اینجا مایست

یعنی کفر از روئے قضا کے کفر ہی نہیں ہے حق کو کافر مت کہہ اور اس جگہ مت کھڑا ہو مطلب یہ کہ درجہ خلق و فعل حق میں یہ کفر کفر ہی نہیں ہے ورنہ اگر اسکو اس درجہ میں کفر کہا جاوے اور اسکے خالق حق تعالے ہیں تو نعوذ باللہ جو لفظ کہ اسکے مرتکب اور فاعل کیلئے کہا جاوے وہی حق تعالے کے لئے ہوگا بس معلوم ہوا کہ وہ اس درجہ میں کفر ہی نہیں ہے تو اسپر رضا بھی واجب ہے۔

کفر جہل است و قضائے کفر علم — ہر دو یک کے باشد آخر خلم و حلم

یعنی کفر تو جہل ہے اور قضائے کفر علم ہے تو پھر حلم اور غضب دونوں یکساں کیسے ہوجاوینگے وہ الگ ہے وہ الگ آگے مثال ہے کہ۔

زشتی خط زشتی نقاش نیست — بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

یعنی خط کی زشتی (مستلزم) نقاش کی زشتی (کو) نہیں ہے بلکہ اُس سے زشت کا دکھانا ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی کاتب میر پنجہ کش جیسا مثلاً ایسا لکھے جیسے کہ ایک بچہ لکھتا ہے اور کوئی تمیز نہ کر سکے کہ یہ بچہ کا لکھا ہوا ہے یا کسی ماہر کاتب کا تو یہ اُنکا نقص ہونیکے علاوہ اُن کا کمال ہے کہ باوجود ایسے بڑے کاتب ہونیکے پھر ایسا لکھ سکتے ہیں۔ تو خلق کفر زشتی حق نہیں ہے بلکہ دلیل کمال حق کی ہے۔

قوت نقاش باشد آنکہ او — ہم تواند زشت کردن ہم نکو

یعنی یہ تو نقاش کی قوت کی دلیل ہے کہ وہ بُرا بھی بنا سکتا ہے اور اچھا بھی آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر گشایم بحث این را من بساز   تا سوال و تا جواب آید دراز

یعنی اگر میں اس بحث کو سامان کے ساتھ کھولوں یہانتک کہ سوال و جواب خوب دراز ہوجاوے
یعنی اسکے سوال و جواب کو خوب تفصیل سے بیان کرسکتا ہوں مگر اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ

ذوق نکتہ عشق از من میرود   نقش خدمت نقش دیگر مے شود

یعنی نکتہ عشق کا ذوق مجھ سے زائل ہوتا ہے اور خدمت (دین) کا نقش نقش دیگر ہوا جاتا ہے
مطلب یہ کہ اس بحث وجدان میں پڑکر میری وہ حالت عشقیہ خراب ہوتی ہے اسلئے کہ قاعدہ
ہے کہ اسیں پڑکر انسان کا قلب ہمیشہ مکدر ہوجاتا ہے اور وہ نورانیت باقی نہیں رہتی اور
یہ ایسا امر ہے کہ مشاہد ہے پس چاہیئے کہ جنگ و جدال کبھی نہ کرے بلکہ سب رطب و
یابس مقابل کے سامنے رکھدے کہ بھائی حق و باطل کو تو خود ممتاز کرلے آگے اسپر
ایک حکایت لاتے ہیں کہ

ایک مثل اس بیان میں کہ حیرت بحث و فکر کو مانع ہی

یعنی جو شخص کہ حیرت میں مبتلا ہوگا اسکو ان باتوں کی فرصت کہاں ہوگی وہ تو اپنے کام میں
لگنے کو غنیمت خیال کریگا اُسکے متعلق ایک قصہ بطور مثل کے بیان فرماتے ہیں کہ۔

آن یکے مرد دو موآمد شتاب   پیش یک آئینہ دار مستطاب

یعنی ایک شخص جسکے بال دو طرح کے تھے (کچھ سفید کچھ سیاہ) ایک ماہر حجام کے آگے آیا۔

گفت از ریشم سفیدی کن جدا   کہ عروس نو گزیدم اے فتے

یعنی وہ بولا کہ اے نوجوان میری ڈاڑھی سے سفیدی کو الگ کردے اسلئے کہ میں نے ایک
نئی دلہن کی ہے۔

ریش او ببرید و کل پیشش نہاد　　گفت تو بگزین مرا کارے فتاد

یعنی اس حجام نے اسکی ساری ڈاڑہی مونڈ کر اسکے آگے رکھدی اور کہا کہ تو خود چھانٹ لے مجھے تو کام ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

این سوال و این جواب است ای گزین　　که سر اینها ندارد مرد دین

یعنی اے برگزیدہ یہ سوال ہے اور یہ جواب ہے کہ خیال اسکا نہیں رکھتا ہے مرد دین مطلب یہ کہ بس جو کام والے ہیں وہ اسیطرح سب رطب و یابس مقابل کے آگے رکھکر کہ تم خود چھانٹ لو الگ ہو جاتے ہیں آگے ایک اور مثل اسیکی ہے کہ ۔

آن یکے زد سیلئے مر زید را　　حمله کرد او ہم براے کید را

یعنی ایک شخص نے زید کے ایک چپت مارا تو اس نے بھی کید کیوجہ سے حملہ کیا ۔

گفت سیلی زن سوالت میکنم　　پس جوابم گوئی انگہ مے زنم

یعنی اُس چپت مارنے والے نے کہا کہ میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں اسکا جواب دیدے پھر مجھے مار لیجیو ۔

بر قضائے تو زدم آمد طراق　　یک سوالے دارم اینجا و وفاق

یعنی میں نے تیری گدی پر مارا تو طراق (کی آواز) آئی تو میں موافقت میں ایک سوال کہتا ہوں ۔

این سوال از تو ہمی پرسم بگو　　حل کن اشکال من ای نیکخو

یعنی میں تجھ سے یہ سوال پوچھتا ہوں تو بتادے اور اے نیکخو میری اشکال کو حل کردے ۔

این طراق از دست من بود یا　　از قفاگاه تواے فخر کیا

یعنی یہ طراق (کی آواز) میرے ہاتھ میں سے نکلی یا تمہاری گدی میں سے اسے فخر از کیا۔

گفت از درد آن فراغت نیستم کاندرین فکر و تامل بیستم

یعنی اُس نے کہا کہ مجھے درد کے مارے اتنی فرصت نہیں ہے کہ اس فکر و تامل میں پڑوں۔

تو کہ بیدردی ہمی اندیش این نیست صاحب درد را این فکر هین

یعنی تو جو بیدرد ہے اسکو سوچتا رہ مگر صاحب درد کے لئے یہ فکر نہیں ہے۔ بس تو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دردمندان را نباشد فکر غیر خواہ در مسجد برو خواہے بدیر

یعنی دردمندوں کو غیر کی فکر ہوتی ہی نہیں اب تم چاہے مسجد میں جاؤ یا دیر میں مطلب یہ کہ انکی طرف سے تم چاہے جنت میں جاؤ یا جہنم میں انکو سوائے حق کے غیر کی فکر نہیں ہوتی وہ تو اُسی فکر میں رہتے ہیں۔

غفلت و بیدردیت فکر آورد در خیالت نکتہ بکر آورد

یعنی غفلت اور بے دردی تمہارے لئے فکر کو لاتی ہے اور تمہارے خیال میں نئے نئے نکتو نکو لاتے ہے۔

جز غم دین نیست صاحب درد را می شناسد مرد را و گرد را

یعنی صاحب درد کو تو سوائے غم دین کے اور کچھ نہیں ہے وہ مرد اور گرد کو ممتاز کرتا ہے مطلب یہ کہ وہ کام کی اور بیکار شئے سب کو جانتا ہے لہذا کام کی چیز کو لے لیتا ہے اور بیکار کو ترک کرتا ہے۔

حکم حق را بر سر ودمے نہد حفظ و فکر خویش یکسو می نہد

یعنی حکم حق کو تو سرآنکھوں پر رکھتا ہے اور اپنی حفاظت اور فکر کو ایک طرف رکھتا ہے (اُسکو فضولیات کی فرصت ہی نہیں ہوتی) آگے بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام الفاظ قرآن کے بہت کم حافظ تھے اسلئے کہ وہ اصل شئے عمل کو لئے ہوئے تھے وہ اس ظاہر کو اسقدر ضروری نہ سمجھتے تھے اور اس سے تواتر میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اسلئے کہ اگرچہ پورے قرآن کے حافظ کم تھے مگر ہر ہر جزو قرآن کے حافظ اس کثرت سے تھے کہ ہر ہر جزو متواتر تھا لہذا پورا قرآن ہی متواتر ہے خوب سمجھ لو۔

شرح حبیبی

در صحابہؓ کم بُدے حافظ کسے — گرچہ شوقے بود جان شانرا بسے

زانکہ چون مغزش در آگند و رسید — قشرہا شد بس رقیق و واکفید

قشر جوز و فستق و بادام ہم — مغز چون آگندشان شد پوست کم

مغز علم افزود کم شد پوستش — زانکہ عاشق را بسوزد دوستش

وصف مطلوبے چو ضد طالبیست — وحی و برق نور سوزان نبی است

چون تجلی کرد اوصاف قدیم — پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ربع قرآن ہر کرا محفوظ بود — جل فینا از صحابہ مے شنود

جمع صورت با چنین معنی ژرف | نیست ممکن جز ز سلطانی شگرف
در چنین مستی مراعات ادب | خود نباشد ور بود باشد عجب
اندر استغنا مراعات نیاز | جمع ضدین است چون گرد دراز
جمع ضدین از نیاز افتاد و ناز | باز در وقت تحیر امتیاز
چون عصا معشوق عمیان می‌شود | کور خود صندوق قرآن می‌شود
گفت کوران خود صنادیق اند پر | از حروف مصحف و ذکر و نذر
باز صندوقی پر از قرآن به است | وانکه صندوقی بود خالی بدست
باز صندوقی که خالی شد ز بار | به ز صندوقی که پر موش است و مار
حاصل اندر وصل چون افتاد مرد | گشت دلاله به پیش مرد سرد
چون بمطلوبت رسیدی اے ملیح | شد طلبگاری علم اکنون قبیح
چون شدی بر بامهای آسمان | سرد باشد جستجوے نردبان

جز برائے یارے و تعلیم غیر	سر د باشد راه خیر از بعد خیر
آئینه روشن که شد صاف و جلی	جہل باشد بر نہادن صیقلے
پیش سلطان خوش نشسته در قبول	زشت باشد جستن نامه و رسول

دیکھو باوجودیکہ صحابہؓ کو تحصیل دین کا بیحد شوق تھا مگر ان میں پورے قرآن کے حافظ بہت کم ہوتے تھے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین صرف چار شخص پورے قرآن کے حافظ تھے۔ ابی بن کعب معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابوزید۔ اب اگر تحدید نہ بھی مقصود ہو تب بھی تقلیل تو ضروری ہے اور یہی مولانا کا مقصود ہے رہا یہ شبہ کہ اس سے قرآن متواتر نہیں رہتا سو یہ باطل ہے کیونکہ تواتر یوں بھی متحقق ہو سکتا ہے کہ مثلاً ایک صورت کل صحابہ کو یاد ہو۔ دوسری سورۃ بعض کو یاد ہو اور ان بعض کی تعداد اتنی ہو کہ تواتر کی حد کو پہنچ جاوے اور باقی صحابہ کو یاد نہ ہو۔ تیسری سورۃ ان ہر دو فریق میں سے بعض کو یا کل کو یاد ہو۔ علی ہذا القیاس اس صورت سے تواتر قرآن بھی قائم رہیگا اور یہ حکم بھی صحیح رہیگا کہ صحابہ میں حافظ قرآن کم تھے اب اسکی اصل وجہ سنو کہ یہ کمی کیون تھی۔ بات یہ ہے کہ جب میوہ کا مغز زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ پختہ ہو جاتا ہے تو پوست کمزور ہو کر پھٹ جاتا ہے اور اگر پھٹتا نہیں جیسے اخروٹ کا چھلکا پستہ کا چھلکا۔ بادام کا چھلکا وغیرہ مغز کے بھر جانے سے کم تو ضرور ہی ہو جاتا ہے بس اسیطرح جب مغز علم یعنی اہتمام عمل یا مشاہدۂ معلوم میں استغراق اور اس سے تلذذ وغیرہ زیادہ ہو جاتا ہے تو پوست یعنی صورت علم و الفاظ کم ہو جاتے ہیں اسکا اصل راز یہ ہے کہ تجلی معشوق عاشق کی ہستی کو مٹا دیتی ہے اور اسکو معشوق کے سوا دوسری اشیاء کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور اسکا بھی ایک راز ہے وہ یہ کہ طالبیت و مطلوبیت میں تضاد ہے اور

تضاد ومنافی وصل و اتحاد ہے اسلئے اولاً اس تضاد کے مٹنے کی ضرورت ہے تاکہ اسکی جگہ اتحاد پیدا ہو کر وصل تام متحقق ہو۔ جبکہ ضرورت اتحاد معلوم ہوئی تو اب اسکی دو صورتیں ہیں یا تو مطلوب فنا ہو کر طالب سے متحد ہو جاوے یا طالب فنا ہو کر مطلوب سے متحد ہو صورت اولی عشق مجازی میں ممکن ہے مگر قلب موضوع ہے اور عشق حقیقی میں مستحیل لہذا صورت ثانیہ متعین ہوئی کہ طالب فنا ہو اور مطلوب سے متحد ہو جائے مگر یاد رکھو کہ یہ اتحاد عرفی ہے نہ کہ نفس الامر میں ایک ذات بنجانا کیونکہ نہ یہ عشق مجازی میں ممکن ہے نہ عشق حقیقی میں جب یہ معلوم ہوا کہ طالبیت ومطلوبیت میں تضاد ہے۔ اور اس کی مرتفع ہونے کی ضرورت ہے تو اب سمجھو کہ یہی سبب تھا جسکے بناپر وحی الٰہی اور برق تجلی حق سبحانہ وتعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا فی الحق اور مرضی حق سبحانہ تعالیٰ کا سراسر تابع بنا دیا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر وصال کامل ناممکن تھا واقعی اوصاف قدیم کی یہی شان ہے کہ جب وہ متجلی ہوئی ہیں تو اوصاف حادث کا سامان جلکر خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ متجلی لہ کو اپنے ہی رنگ میں رنگ کر صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغہ کی شان دکھلا دیتے ہیں ؎ چو سلطان عزت علم در کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو اہتمام عمل اور مشاہدہ محبوب حقیقی انہماک تھا۔ اس لئے اشتغال بحفظ کی مہلت نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ اگر کسیکو چوتھائی قرآن بھی یاد ہو جاتا تھا تو صحابہ اس کو کہتے تھے کہ یہ تو بہت بڑا شخص ہو گیا بڑائی اور جلالت کا سبب یہ تھا کہ اُس نے معنی اور صورت دونوں کو جمع کر لیا تھا۔ اور صورت ومعنی کا جمع کر لینا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ کوئی بڑا شخص ایسا کرسکتا ہے مثلاً کوئی شخص عشق الٰہی میں بیحد مست ہو اور پھر ادب کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دے یہ نہیں ہو سکتا اور اگر ہو جیسا کہ صحابہ میں تھا تو ضرور حیرت انگیز بات ہے اور ایسا کرنے والا ضرور بڑا شخص ہے کیونکہ مستی کے سبب ادب سے مستغنی ہو کر پھر ادب کو ملحوظ رکھنا ایسا ہی دشوار ہے جیسے جمع ضدین۔ اور ایسا کرنے والا یوں ہی جامع بین الضدین ہے جیسے ایک شئی گول بھی ہو اور لمبی بھی۔ پس جب اس نے ناز و نیاز اور تحیر امتیاز دونوں کو ملحوظ رکھا

تو جمع بین الضدین تو ہوگیا پھر ایسے شخص کی جلالت شان میں کیا شبہ ہو سکتا ہے لہذا صحابہ کا اس کو جل فینا کہنا بالکل صحیح تھا اس بیان سے کسیکو یہ شبہ نہو کہ حفاظ اربعہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خلفاء راشدین سے بھی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ باوجود اشتراک فی الجمع بین الصورۃ والمعنی کے خلفاء راشدین کو حفاظ اربعہ پر جہت معنی سے تفوق تھا. اور حفاظ اربعہ کو جہت صورت سے. پس جو تفوق معنی کو صورت پر ہوگا وہی تفوق خلفائے راشدین کو حفاظ اربعہ پر ہوگا اور یہ امر نہ جل فینا کے مخالف ہے اور نہ تشریح و تعلیل مولانا کے جل فینا کے تو اس لئے خلاف نہیں کہ اس میں جلالت ذاتیہ یا اضافیہ بالنظر الی البعض مراد ہے نہ کہ اضافیہ بالنظر الی الکل اور تعلیل مولانا کے اس لئے خلاف نہیں کہ اشتغال بالمعنی کے درجات مختلف ہیں لہذا یوں کہا جاویگا. کہ جسقدر اشتغال خلفاء کو تھا اگر وہ اشتغال ان حفاظ اربعہ کو ہوتا تو وہ اتنا بھی قرآن یاد نہ کرسکتے جتنا کہ خلفاء اربعہ کو تھا. پس اس درجہ اشتغال کے ساتھ اس قدر قرآن یاد کرلینا جس قدر کہ خلفا کو تھا یہ بھی انہی کا کمال ہے جو کہ حفاظ اربعہ کو حاصل نہیں. لہذا خلفا افضل ہونگے. لیکن چونکہ اپنی اشتغال کے ساتھ انھوں نے پورا قرآن یاد کرلیا تھا جو کہ بعض دوسروں کے لئے دشوار تھا لہذا یہ ان کا فی نفسہ اور ان بعض کے لحاظ سے کمال تھا اور جو چوتھائی قرآن اپنے اشتغال کے ساتھ یاد کرلیتا تھا فی نفسہ ونیز بعض ان لوگوں کے لحاظ سے جو ایسا نہ کرسکتے تھے یہ اس کا بھی کمال تھا. اور چونکہ عام حالت کے لحاظ سے یہ امر فی نفسہ بڑا سمجھا جاتا تھا اس لئے جل فینا کہا جاتا تھا جس کے معنی یہ ہیں. کہ منجملہ دیگر صحابہ کے یہ بھی بڑا شخص اور عام لوگوں سے ممتاز ہوگیا اس کا یہ مطلب نہ ہوتا تھا کہ سب سے بڑھ گیا. صحابہ کی معذوری بیان کرکے اب دیگر قرون میں کثرت حفظ کی وجہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس طرح اندھوں کی آنکھیں تو ہوتی نہیں کہ وہ ان کو رہبر بنائیں لہذا وہ لاٹھی ہی کو محبوب رکھتے ہیں کہ اسی کے سہارے سے مقصود تک پہونچ جاتے ہیں یہی حالت بالکل عام طور پر حفاظ کی ہے اِلّا ماشاء اللہ کہ وہ حقیقت سے واقف ہوتے نہیں کہ بصیرت کے ساتھ حق سبحانہ تک پہنچے

لہذا وہ قرآن حفظ کرتے ہیں اور گویا کہ اسکا صندوق بنتے ہیں کیونکہ جسطرح صندوق اشیاء کی حفاظت کرتا ہے اور اُن سے متمتع نہیں ہوسکتا۔ یونہی یہ بھی ہوتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے کہ اندھے لوگ قرآن کے صندوق ہوتے ہیں کہ الفاظ قرآنیہ اور پند و نصائح وعدو وعید کو اپنے اندر بھرے ہوتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ جو صندوق قرآن سے بھرا ہوا ہو وہ اس صندوق سے بہتر ہے جو بالکل خالی ہو پس اگر کسیکو عمل کی پوری پوری توفیق نہ ہو اور قرآن یاد ہو وہ بہتر ہے اس سے جو نہ عمل ہی کرتا ہو نہ اُسکو قرآن ہی یاد ہو۔ پھر جو صندوق سامان سے خالی ہو وہ اس صندوق سے بہتر ہے جسمیں چوہے اور سانپ بھرے ہوئے ہوں۔ یعنی اگر کوئی شخص حافظ قرآن بھی نہ ہو اور اخلاق رذیلہ بھی اپنے اندر نہ رکھتا ہو وہ بہتر ہے اس سے جو حافظ قرآن بھی نہ ہو اور صفات ذمیمہ بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب آدمی کو وصل محبوب حاصل ہو جاتا ہے تو اسکی نظر میں دلالہ اس درجہ محبوب نہیں رہتی جتنی کہ پہلے تھی۔ لہذا جب وصل حق سبحانہ میسر ہو جاتا ہے تو صورت علم جو بمنزلہ دلالہ کے تھی مرغوب نہیں رہتی اور اسکا طلب کرنا بُرا سمجھا جاتا ہے کیونکہ جب آدمی آسمان پر چڑھ گیا تو ایسی حالت میں سیڑھی تلاش کرنا بیہودہ حرکت ہے لیکن تم ہمارے اس حکم کو عام نہ سمجھنا بلکہ یہ مخصوص ہے اس صورت کے ساتھ کہ جب اشتغال بالعلم بعد وصول بغرض وصول ہو لیکن اگر دوسرے کی امداد کے لئے اور اسکی تعلیم کے لئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور بدون اس غرض کے وصول الی الخیر کے بعد خیر کا ذریعہ تلاش کرنا اور اسمیں مصروف ہونا بیشک بے معنی ہے دیکھو جب آئینہ روشن اور صاف ہو جاوے اسوقت اسکو صیقل کرنا ضرور حماقت ہے نیز بادشاہ کا مقبول ہوکر اور اسکے حضور میں بیٹھکر خط یا قاصد کو ڈھونڈھنا ضرور نادانی ہے۔

شرح شبیری

حکایت اس بیان میں کہ صحابہؓ میں پوری قرآن کی حافظ کم ہوئے تھے

در صحابه کم بُدے حافظ کسے گرچہ شوقے بود جان شان را بسے

یعنی صحابہؓ میں حافظ کوئی کم ہوتا تھا اگرچہ انکی جان کو شوق بہت تھا۔

زانکه چون مغزش در آگند و رسید قشرها شد بس رقیق و واکفید

یعنی اسلئے کہ (دیکھو) جب میوہ کا مغز پر ہو جاتا ہے اور (پختگی کو) پہونچ جاتا ہے تو قشر بہت رقیق ہو جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں۔

قشر جوز و فستق و بادام ہم مغز چون آگندشان شد پوست کم

یعنی اخروٹ اور پستہ اور بادام کا قشر بھی جب مغز بھر جاتا ہے تو وہ پوست کم ہو جاتا ہے (بس اسیطرح)

مغز علم افزود کم شد پوستش زانکه عاشق را بسوزد دوستش

یعنی علم کا مغز بڑھ گیا تو اُسکا پوست کم ہو گیا۔ اسلئے کہ عاشق کو اسکا دوست جلا دیتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ عاشق کے مقتضیات کو اسکا معشوق فنا کر دیتا ہے اسلئے کہ عاشق کو مقصود وہی ہوتا ہے تو اسیطرح جب مقصود آتا ہے تو توابع زائل ہو جاتے ہیں۔

وصف مطلوبی چو ضد طالبی است وحی و برق نور سوزندہ نبی است

یعنی وصف مطلوبی جبکہ طالبی کی ضد ہیں تو وحی اور برق نور نبی کو جلانے والی ہے وصف مطلوبی سے مراد اوصاف حق اور وصف طالبی سے مراد اوصاف بشر مطلب یہ کہ اوصاف حق کے آگے اوصاف بشر بہ سبب تابع ہونے کے زائل ہو جاتے ہیں۔

چون تجلی کرد اوصاف قدیم پس بسوزد وصف حادث را گلیم

یعنی جبکہ اوصاف قدیم تجلی کرتے ہیں تو اوصاف حادث کے گلیم کو وہ جلا دیتے ہیں یعنی وہ بہ سبب غیر مقصود ہونے کے اسکے آگے فنا ہوجاتے ہیں تو بس جب انکو عمل بالقرآن حاصل تھا تو انکو الفاظ کا زیادہ اہتمام نہ تھا بلکہ ہر شخص بقدر ضرورت یاد کر لیا کرتا تھا۔ اور یہ حالت تھی کہ۔

ربع قرآن ہر کرا محفوظ بود جل فینا از صحابہ مے شنود

یعنی جسکو کہ ربع قرآن یاد ہوتا تھا وہ صحابہ سے جل فینا سنتا تھا۔ مطلب یہ کہ صحابہ ایسے شخص کی نسبت فرمایا کرتے تھے یہ ہم میں سے بزرگ ہو گیا۔ اور بڑھ گیا۔ اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جب الفاظ قرآنی کو حفظ کرنا اصل مقصود کے منافی ہے تو پھر حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو کیوں کل قرآن یاد تھا معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک فعل عبث کے مرتکب ہوئے اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ۔

جمع صورت با چنین معنے ژرف نیست ممکن جز ز سلطانی شگرف

یعنی ایسے معنی عمیق کے ساتھ صورت کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے بجز کسی بڑے سلطان کے مطلب یہ کہ جمع بین الظاہر والباطن ایسا امر ہے کہ ہر ایک سے ممکن نہیں ہے اور اگر ہو تو سبحان اللہ مقصود اس کہنے سے یہ تھا کہ صرف صورت اور صرف الفاظ مقصود نہ ہونے چاہئیں۔

در چنین مستی مراعات ادب خود نباشد ور بود باشد عجب

یعنی مستی میں ادب کی رعایت خود ہی نہیں ہوتی اور اگر ہو تو عجیب بات ہے مطلب یہ کہ جو شخص مقصود میں مست ہے اسکو اس ادب کی کہاں خبر کہ وہ جمع بین الظاہر والباطن کرے

اور اگر باوجود اس مستی کے کسی کو اسکی خبر رہے تو یہ ہے عجیب بات۔

اندر استغنا مراعات نیاز جمع ضدین است چون گردد دراز

یعنی استغنا کی حالت میں نیاز کی رعایت کرنا دو ضدوں کو جمع کرنا ہے تو یہ کس طرح دراز ہو سکتا ہے یعنی کس طرح وقوع میں آسکتا ہے کہ ضدین جمع ہو جاویں مستی بھی ہو اور ادب بھی ہو۔

جمع ضدین از نیاز افتاد آز باز در وقت تحیّر امتیاز

یعنی ضدین کا جمع نیاز کی وجہ سے حرص ہے اور پھر تحیر کے وقت امتیاز کرنا (یہ تو سخت مشکل ہے) آگے صرف الفاظ کو یاد کرنے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چون عصا معشوق عمیان می شود کور خود صندوق قرآن می شود

یعنی جیسے کہ عصا اندھوں کا معشوق ہوتا ہے تو اندھا خود صندوق قرآن کا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اصل میں مقصود تو عمل اور حال ہے اور الفاظ اسکے تابع ہیں مگر جو شخص کہ صرف الفاظ کو لئے ہوئے ہو اور عمل کی طرف مطلق توجہ ہی نہ کرے وہ تو بیشک اندھا ہی ہے۔

گفت کوران خود صنادیق اند پُر از حروف مصحف و ذکر و نذر

یعنی کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ اندھے خود صندوق قرآن کے حروف اور ذکر و نذر کے بھرے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اندھے صرف الفاظ قرآن کو یاد کر لیتے ہیں مگر عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے تو یہ بے عمل کے بیکار ہے۔ اب یہاں جو لوگ کہ حافظ ہیں انکا دل مرجھانے کا خوف تھا کہ شاید وہ سمجھیں کہ بس پھر کیوں یاد کیا جاوے اسلئے فرماتے ہیں کہ۔

باز صندوقے پُر از قرآن بہ است زانکہ صندوقے بود خالی بدست

یعنی پھر صندوق قرآن سے بھرا ہوا اس سے بہتر ہے کہ ایک صندوق خالی ہاتھ میں ہو

مطلب یہ کہ الفاظ کے حافظ غیر حفاظ سے پھر بھی بہتر ہیں اب یہاں وہ لوگ جو کہ حافظ نہیں ہیں غمگین ہوئے آگے انکی تسلی کے لئے فرماتے ہیں سبحان اللہ عجب جامع تقریر ہے کہ کوئی پہلو چھوٹا ہوا نہیں ہے فرماتے ہیں کہ

باز صندوقے کہ خالی شد ز بار   بہ ز صندوقے کہ پُر موش است و مار

یعنی پھر وہ صندوق جو کہ بوجھ سے خالی ہو اس سے بہتر ہے کہ جو سانپوں اور چوہوں سے بھرا ہو۔ مطلب یہ کہ وہ شخص جو کہ حافظ نہیں ہے مگر اسکے عقائد اچھے ہیں خیالات فاسدہ نہیں ہیں تو یہ شخص اس سے بہتر ہے کہ جسکے اندر خباثتیں بھری ہوئی ہیں۔ عقائد خراب ہیں آگے پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ مقصود کو حاصل کرنا چاہیئے اور غیر مقصود کو ترک کرنا ضروری ہے آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر وصل چون افتاد مرد   گشت دلالہ بہ پیش مرد سرد

یعنی حاصل یہ کہ جب انسان وصل میں پڑ گیا تو دلالہ اسکے آگے سرد ہو گئی۔

چون بہ مطلوبت رسیدی ای ملیح   شد طلبگاری علم اکنون قبیح

یعنی جبکہ تم اپنے مطلوب تک پہونچ گئے اے ملیح تو اب علم کی طلبگاری بُری ہے۔

چون شدی بر بامہای آسمان   سرد باشد جستجوئے نردبان

یعنی جبکہ تو آسمان کے اُوپر پہونچ گیا تو اب سیڑھی کی جستجو فضول ہے مطلب یہ کہ جب مطلوب حاصل ہو گیا تو اب وسائط اور وسیلوں میں پھنسنا سخت نازیبا ہے۔ اب یہاں طلبا کو شبہ ہو سکتا تھا کہ بس ایک مرتبہ میزان خود پڑھکر اب دوبارہ بعد تحصیل کے پھر اسکے پڑھانے میں مشغول ہونا عبث ہے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

جز برائے یاری و تعلیم غیر   سرد باشد راہ خیر از بعد خیر

یعنی سوائے دوسرے کی تعلیم اور مدد کے لئے کہ اب خیر کے بعد راہ خیر کو لینا بہتر ہے مطلب یہ کہ اگر دوبارہ مشغول ہونے میں دوسرے کا نفع ہو تو یہ بھی مناسب اور نافع ہے۔

آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی　　جہل باشد بر نہادن صیقلے

یعنی وہ آئینہ جو کہ روشن اور صاف اور چمکدار ہو تو اسکو صیقل پر رکھنا جہالت ہے۔

پیش سلطان خوش نشستہ در قبول　　زشت باشد جستن نامہ و رسول

یعنی بادشاہ کے سامنے قبولیت میں اچھا خاصہ بیٹھے ہوئے نامہ و رسول کو تلاش کرنا بہت ہی معیوب ہے تو بس خلاصہ ان سب کا یہ ہوا کہ مقصود کو ترک کر کے غیر مقصود کو لینا معیوب ہے آگے اسپر ایک عاشق کی حکایت لاتے ہیں کہ ایک عاشق کو بعد مدت کے وصل معشوق ہوا تو وہ اسوقت پچھلے خطوط کو جنمیں کہ اس نے شکایت ہجراں کی تھی اور اسکے جور و ظلم کو لکھا تھا لے بیٹھا تو معشوق نے کہا کہ ارے بیوقوف حبیب تجھے وصل معشوق حاصل ہے تو اسمیں کیوں پڑتا ہے اسمیں پڑنا سخت بیوقوفی ہے تو اسیطرح جب ان حضرات کو وصل مقصود قرب حق میسر ہوتا ہے تو یہ نہ تو کسی سے مناظرہ میں الجھیں اور نہ صرف الفاظ کے تابع ہوں بلکہ توابع کو صرف وسائط اور وصول تک رکھتے ہیں اور جب قرب حاصل ہوگیا بس پھر ان سب سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اب حکایت سنو۔

آن یکے را یار پیش خود نشاند　　نامہ بیرون کرد و پیش یار خواند

بیتہا در نامہ و مدح و ثنا　　زاری و مسکینی و بس لابہا

گریه و افغان و حزن و درد خویش
خواری و بیزاری با اہل خویش

دوری و رنجوری از ہجران دوست
ذکر پیغام و رسول از مغز و پوست

ہمچنین میخواند با معشوق خود
تا کہ بیرون شد ز حصر و حد و عد

گفت معشوق این اگر بہر من است
گاہ وصل این عمر ضائع کردنست

من بہ پیشت حاضر و تو نامہ خوان
نیست این بارے نشان عاشقان

گفت اینجا حاضری اما ولیک
من نمی یابم نصیب خویش نیک

آنچہ می دیدم ز تو پارینہ سال
نیست اینم گرچہ می بینم وصال

من ازین چشمہ زلالے خوردہ ام
دیدہ و دل زآب تازہ کردہ ام

چشمہ مے بینم ولیکن آب نے
راہ آبم را مگر زد رہزنے

گفت پس من نیستم معشوق تو
من بہ بلغار و مرادت در قتو

عاشقی تو بر من و بر حالتے
حالت اندر دست نبود ای فتے

پس نیم کلّے مطلوب تو من — جز و مقصودم ترا اندر زمن

خانۂ معشوقہ ام معشوق نے — عشق بر نقد است و بر صندوق نے

ہست معشوق آنکہ او یکتو بود — مبتدا و منتہایت او بود

چون بیابی اش نباشے منتظر — ہم ہویدا او بود ہم نیز سر

میر احوال است نے موقوف حال — بندۂ این ماہ باشد ماہ و سال

چون بگوید حال را فرمان کند — چون نخواہد جسمہا را جان کند

منتہے نبود کہ موقوف است او — منتظر بنشستہ باشد حال جو

کیمیاے حال باشد دست او — دست جنباند شود مس مست او

گر بخواہد مرگ ہم شیرین شود — خار و نشتر نرگس و نسرین شود

او بود سلطان حال اندر روش — نے چو تو محروم از حال و کشش

آنکہ او موقوف حالست آدمی ست — کہ گہے افزون و گاہے در کمی ست

صوفی ابن الوقت باشد در مثال | لیک صافی فارغ است از وقت حال
حالہا موقوف فکر و رائے او | زندہ از نفخ مسیح آسائے او
عاشق حالی نہ عاشق بر منی | بر امید حال بر من مے تنی
آنکہ گہ ناقص گہے کامل بود | نیست معبود خلیل آفل بود
و انکہ آفل باشد و گہ آن و این | نیست دلبر لا احب الآفلین
آنکہ او گاہے خوش و گہ ناخوش است | یک زمانے آب و یکدم آتش است
برج مہ باشد و لیکن ماہ نے | نقش بت باشد و لے آگاہ نے
ہست صوفی صفا چون ابن وقت | وقت را ہمچون پدر بگرفتہ سخت
لیک صافی غرق عشق ذوالجلال | ابن کس نے فارغ از اوقات و حال
غرقہ نورے کہ او لم یولد است | لم یلد لم یولد آن ایزد است
رو چنین عشقے گزین گر زندہ | ورنہ وقت مختلف را بندہ

منگر اندر نقش خوب و زشت خویش / بنگر اندر عشق و بر مطلوب خویش

منگر این را کہ حقیری یا ضعیف / بنگر اندر ہمت خود ای شریف

تو بہر حالے کہ باشے می طلب / آب میجو دائما اے خشک لب

کان خشکت گواہے میدہد / کو بآخر بر سر منبع رود

خشکی لب ہست پیغامے ز آب / کہ بمات آرد یقین این اضطراب

کاین طلبگاری مبارک جنبشے است / این طلب در راہ حق مانع کشی است

این طلب مفتاح مطلوبات تست / این سپاہ نصرت رایات تست

این طلب ہمچون خروسے در صیاح / مے زند نعرہ کہ مے آید صباح

گرچہ آلت نیستت تو مے طلب / نیست آلت حاجت اندر راہ رب

ہر کرا بینے طلبگار اے پسر / یار او شو پیش او انداز سر

کز جوار طالبان طالب شوے / وز ظلال غالبان غالب شوی

گر یکے مورے سلیمانے بجست — منگر اندر جستن او سست سست

ہرچہ داری تو ز مال و پیشۂ — نے طلب بود اول و اندیشۂ

گر یکے گنجے بیابد نادرست — ور باشد از طلب ہم قاصرست

ہر کہ چیزے جست بیشک یافت او — چون بجد اندر طلب بشتافت او

چون نہادی در طلب پا اے پسر — یافتی و شد میسر بے خطر

ہین مباش ای خواجہ یکدم بے طلب — تا بیابے ہرچہ خواہے بے تعب

عاقبت جوئندہ یابندہ بود — چونکہ در خدمت شتابندہ بود

در طلب چالاک شو این فتحیاب — مے طلب واللہ اعلم بالصواب

اچھا اب مضمون بالا کی تائید کے لئے ایک قصہ سُنو ایک شخص کو اسکے معشوق نے اپنے پاس بُھلایا تو اس نے خط نکالا اور اُسکو پڑھکر سُنانے لگا۔ اُس خط کے اندر عشقیہ اشعار تھے اور بہت کچھ تعریف و توصیف تھی اپنی خستگی اور بیچارگی کا اظہار تھا بہت کچھ منت و سماجت تھی اور اپنے رونے پیٹنے نالہ و فغاں رنج والم کا بیان تھا اپنی ذلت اور اپنوں اور بیگانوں سے بے تعلقی ظاہر کی تھی اپنے زمانۂ مفارقت کا بیان کیا تھا اور مصائب ہجر ذکر کئے تھے اپنے پیغاموں اور قاصدوں کا بھی ذکر کیا تھا غرض کہ رطب و یابس بہت کچھ تحریر کیا تھا۔

وہ یہ خط اپنے محبوب کے استمالت خاطر و جلب رحم کے لئے اُسکو سُنا رہا تھا حتےٰ یہ مضمون بہت لمبا ہو گیا۔ اور بہت دیر ہو گئی اسپر اُس معشوق نے دق ہو کر کہا کہ تم نے جو کُچھ کیا اگر میرے لئے کیا تو مَیں تمہارے پاس موجود ہوں اور تمہارا مدعا حاصل ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا کیا مقصد ہے۔ وصل کی حالت مین اس خرافات کا اعادہ محض تضیع اوقات ہے آپ ذرا غور تو کرین کہ مین آپکے پاس موجود ہون اور آپ خط پڑہ رہے ہیں۔ عاشقون کی تو یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ آپ کیسے عاشق ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ بیشک آپ میرے سامنے تشریف فرما ہیں مگر پورے طور پر میرا مدعا حاصل نہیں کیونکہ گو اسوقت مجھے وصل حاصل ہے لیکن اس وصل مین مَیں آپ کی وہ دلفریبیان اور دلربائیان۔ ناز و انداز۔ ادائیں اور غمزے نہیں دیکھتا۔ جو پارسال کے وصل میں تھیں۔ لہذا میں چاہتا ہون کہ اسوقت بھی وہی باتیں ہون جو اُس وصل میں تھیں۔ تاکہ لذت تامہ حاصل ہو اور میرا مدعا پورے طور پر حاصل ہو۔ میں نے پارسال آپ کی خوبیون سے بہت کچھ حظ حاصل کیا تھا اور اُن سے آنکھون کو اور دل کو بہت ہی محظوظ کیا تھا۔ لیکن میں اُن خوبیوں کا سرچشمہ تو دیکھ رہا ہون مگر وہ خوبیان نہیں ہیں۔ نہیں معلوم وہ کیا ہوئیں۔ اور کس غارتگر نے انھیں کھو دیا۔ اس نے جواب دیا کہ بس معلوم ہوا کہ آپ کا معشوق میں نہیں ہوں۔ بلکہ کوئی اور شے ہے اور میرے ذریعہ سے اس مطلوب تک پہونچنا مقصود ہے۔ مگر میں کہے دیتا ہون کہ مجھ میں اور آپکے مطلوب میں بہت بعد ہے میں اگر بلغار میں ہوں تو وہ قتو (شہر یا ملک) مین ہے بس میرے ذریعہ سے اسکو حاصل کرنا ناممکن ہے یعنی آپ بالعرض مجھ پر اور بالذات میری خوبی پر عاشق ہیں اور وہ آپ کی مطلوب خوبی میرے امکان سے باہر ہے اسلئے کہ آپ کو وہ ادائیں اور دلفریبیان من حیث الذات مطلوب تھیں بلکہ من حیث کونہا ملذۃ و مطربۃ مطلوب ہیں اور احوال عاشق مختلف ہوتے ہیں کبھی ایک ادا دلفریب ہوتی ہے اور کبھی دوسری ادا۔ حتےٰ کہ کبھی ظلم پسند ہوتا ہے اور رحم ناپسند اور وہ یوں کہتا ہے ؎

محو جفا ستم کش الطاف کب ہوا + رحم اسکو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

اور کبھی رحم پسند ہوتا ہے اور کہتا ہے ؎

بیدم سا پڑا تھا کوئی اُس کوچہ میں اُس نے + دروازہ پہ آجھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں + جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ
کبھی اختلاط غیر کا احتمال بھی تکلیف دیتا ہے اور کہتا ہے ؎
کیا خوش ہوں کوئی غیر میں گر نقش بپا ہو + وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں
اور کبھی اُسکی طرف التفات کو عدم التفات کی علامت قرار دیکر اپنی طرف عدم التفات
پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے ؎
یا دسہواً اُسے اسے غیر ہے نسیان عمداً + یادر کھ بھول گیا جس کو وہی یادرہا
یہ اُتار چڑہاؤ تو عاشق کی طبیعت کا ہے اب معشوق کی طرف دیکھو کہ اسکے بیساختہ پن
اور تصنع میں بھی فرق ہوتا ہے کہ جو بات اُسکے بیساختہ پن میں ہے وہ تصنع میں نہیں۔ لہذا
میں عرضداشت پر کوئی توجہ نہیں کر سکتا نیز جبکہ میں اور میرے احوال خاصۃً ہر دو آپکے
مطلوب ہیں گو جہتیں مختلف ہیں۔ پس میں آپکا مطلوب تام نہ ہوا۔ بلکہ جزو مطلوب ہوا۔ بلکہ آپکے
مطلوب کا گھر ہوا۔ مطلوب نہ ہوا۔ اور آپ کا عشق مال پر ہوا صندوق پر نہ ہوا۔ کیونکہ معشوق
کئی تہ رکھنے والے کپڑے کی طرح نہیں ہوتا جسکی ایک تہ مبدا۔ اور دوسری منتہے ہوتی ہے۔
بلکہ وہ اکہرے کپڑے کی مثل ہوتا ہے کہ اسکا مبدا و منتہے خود وہی ہوتا ہے یعنی معشوق
ذو جہتین نہیں ہوتا کہ ظاہر میں خود مطلوب ہو اور باطن میں کچھ اور بلکہ اسکی حالت تو یہ ہوتی
ہے کہ جب وہ ملجاوے تو طلب کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور ظاہراً بھی وہی مطلوب ہو۔ اور
باطناً بھی وہی۔ اور آپکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں یہ بات نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ میں
آپکا معشوق نہیں۔ اس مقام پر اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ جب وہ عاشق محبوب کی اداؤں
اور دلفریبیوں پر من حیث کونہا ملذۃ و مطربۃ عاشق تھا تو درحقیقت وہ خود اپنے حال
پر عاشق تھا۔ لہذا اسکے معشوق کے اندر تین تہیں تھیں۔ اول ذات محبوب۔ دوسری احوال
محبوب۔ تیسری خود اپنے احوال۔ معشوق نے تیسری تہ کو دوسری تہ میں مندمج کر دیا اور
اسکی طرف۔

عاشقی تو برمن بر حالتے + حالت اندر دست نبود ولے فتے

سے اشارہ کر دیا ہے اور ہم نے اسکی شرح میں اسپر تنبیہ بھی کر دی ہے اور اب اسکو تصریحاً بھی بیان کر دیا ہے۔ جب یہ امر واضح ہو گیا تو اب سنو مولانا فرماتے ہیں کہ جو حالت عشق مجازی میں اس عاشق کی تھی وہ حالت عشق الٰہی میں عارف کامل کی نہیں ہوتی۔ اور عارف کامل جسکو حاکم احوال کہنا چاہیئے حال کا پابند نہیں ہوتا۔ بلکہ زمانہ جو تقلیب احوال میں یدطولے اور مہارت تامہ رکھتا ہے اسکا غلام ہوتا ہے اور اسپر حاکم ہو کر اسکے امر تغیر نہیں پیدا کر سکتا اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو حال کو حکم کرتا ہے اور مخاطبین پر فوراً ایک خاص حال طاری ہو جاتا ہے یا یوں کہو کہ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اسکے مناسب حال کو طاری ہو جانے کا حکم کرتا ہے اور وہ حال اسپر فوراً طاری ہو جاتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو کندۂ ناتراش لوگوں کو جو کہ جمادات سے مشابہ ہیں اور اسلئے سراسر جسم کہلانیکے مستحق ہیں آدمی بنا دیتا ہے اور ایسا کر دیتا ہے کہ گویا ان میں جسمانیت ہے ہی نہیں اور بالکل روح ہی روح ہے اور جو شخص پابند حال ہو اور حال کا طالب ہو کر منتظر بیٹھا ہو وہ منتہی نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اور عارف کامل خود تو کیا منتظر حال ہوتا اسکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے دست تصرف سے احوال ناقصہ کو احوال کاملہ بناتا ہے اور جب ہاتھ ہلاتا ہے تو شراب باوجودیکہ مست کن ہے خود مست ہو جاتی ہے ہر چند کہ موت تلخ ہے لیکن اگر وہ چاہے تو اسکو شیریں اور مرغوب بنا دے اور خار و نشتر باوجودیکہ موذی ہیں مگر وہ چاہے تو نرگس و نسریں کیطرح مفرح و منشط ہو جائیں۔ وہ حال کا بادشاہ ہوتا ہے اور احوال اسکے تابع فرمان ہیں وہ اوروں کی طرح حال اور کشش سے محروم نہیں ہوتا اسلئے اسکا طالب و منتظر بھی نہیں ہوتا۔ جو لوگ پابند احوال اور اسکے طالب و منتظر ہوتے ہیں وہ انسانیت سے نہیں نکلے اور فنا فی الحق ہو کر صفات الٰہیہ کے ساتھ موصوف نہیں ہوئے۔ اسلئے کہ ان میں ابھی تک ایک صفت نقصان یعنی تغیر و تلون اور کبھی گھٹنا کبھی بڑھنا موجود ہے چنانچہ مثل مشہور ہے کہ صوفی ابن الوقت اور تابع حال ہوتا ہے سو یہ انھیں ناقص صوفیہ کی حالت ہے رہے وہ صوفی جو کدورات بشریہ و ظلمات نفسانیہ سے پاک صاف ہیں سو وہ وقت حال سے بےفکر ہیں یہ تو احوال کے کیا پابند ہوتے احوال خود

انکی فکر ورا ستے کے پابند ہیں کہ جبتک یہ نہ چاہیں کوئی حال طاری نہیں ہوسکتا اور جب یہ
چاہیں تو پھر رُک نہیں سکتا۔ لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انھیں کے دم حیات بخش مثل دم مسیح کے
بدولت زندہ ہیں۔ ہاں تو اس معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ تو حال پر عاشق ہے مجھہ پر عاشق
نہیں۔ کیونکہ جب مجھہ میں وہ حال موجود ہوتا ہے تو میں تجھے اچھا معلوم ہوتا ہوں اور تو
میرا طالب ہوتا ہے اور جب نہیں ہوتا تو میں تجھے پسند نہیں آتا اور تو اس حال کے لئے
بیچین ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مجھہ سے جو کچھ تعلق اور میری جو کچھ طلب ہے وہ بتوقع حال ہے
اور اسی کی امید پر تو مجھے لپٹتا ہے معشوق کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ کبھی وہ ناقص ہوتا
ہے کبھی کامل کبھی اس میں دلبری کی صفت موجود ہوتی ہے کبھی نہیں کبھی وہ پسندیدہ ہوتا ہے
کبھی ناپسندیدہ کبھی پانی کیطرح دل ٹھنڈا کرتا ہے اور مرغوب ہوتا ہے اور کبھی آگ کی طرح
دل جلاتا اور قابل نفرت ہوتا ہے پس سمجھو کہ جو کبھی ناقص اور کبھی کامل ہو وہ فانی ہے معبود
خلیل یعنی مقصود طالب حق اور مطلوب اہل کمال نہیں۔ اور جو فانی اور متغیر الاحوال ہو وہ دلبر
اور اس قابل نہیں کہ اسکو محبوب بنایا جاوے چنانچہ حضرت خلیل فرماتے ہیں لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔
اور جو کبھی پسندیدہ اور کبھی ناپسندیدہ ہو اور کبھی پانی کیطرح دل ٹھنڈا کرنے والا اور مرغوب
ہو اور کبھی آگ کی طرح دل جلانے والا اور نامرغوب ہو وہ ماہ اور حسن ذاتی رکھنے والا نہیں
بلکہ بُرج ماہ اور حسن عارضی رکھتا ہے وہ صورت بت ہے اور اپنے اندر صفت علم جو کمال
ہے نہیں رکھتا پس ایسے کو مطلوب اور مقصود بنانا طالب حق کو ہرگز شایاں نہیں بلکہ مطلوب
اسکو بنانا چاہیئے جو افول و تغیر احوال بلکہ جملہ نقائص سے منزہ اور جمیع کمالات کے ساتھ موصوف
ہو اور کبھی بھی ناپسند نہ ہو بلکہ ہمیشہ پسندیدہ ہو اور کبھی بھی نامرغوب نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ مرغوب ہو۔
اب سمجھو کہ طالبان حق کی دو شانیں ہوتی ہیں بعض تو عاشق مجازی کی طرح خام ہوتے ہیں۔
اور بعض پختہ چنانچہ صوفی طالب صفا چونکہ تابع وقت ہوتا ہے اسلئے وہ وقت وحال ہی کو
مضبوط پکڑے ہوتا ہے اور اسیکو مقصود سمجھتا ہے یہ تو اس عاشق مجازی کی طرح خام اور ناقص
ہے لیکن جو لوگ کدورات بشریہ و ظلمات نفسانیہ سے پاک ہوتے ہیں وہ عشق حق سبحانہ میں
غرق ہوتے ہیں اور کسی کے تابع و پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ اوقات واحوال سے بیفکر ہوتے

ہیں وہ اُس نور میں غرق ہوتے ہیں جو کسی سے پیدا نہیں ہوا اور لم یلد ولم یولد شان حق سبحانہ ہے لہذا وہ نور حق سبحانہ میں مستغرق ہوتے ہیں پھر نبوت وقت کا وہاں کیا گذر ہوسکتا ہے صنف اول کی طرح یہ حضرات خام نہیں ہوتے بلکہ یہ حضرات پختگان عشق ہیں پس اگر تم میں حیات موجود ہے اور ادراک واحساس رکھتے ہو اور جمادات کی طرح بے حس نہیں ہو تو ایسا عشق اختیار کرو اور اگر عاشق مجازی یا پہلی قسم کے عاشق خدا بنے تو یاد رکھو کہ اوقات مختلفہ کی غلامی کرنی پڑیگی اور ہر وقت اور ہر حال تم پر جدا گانہ حکومت کریگا اور تم اس سخت خصمی ملازمت سے ہمیشہ پریشان رہوگے پس تم کو چاہیئے کہ وحدہ لاشریک کے ہو رہو جہاں سکون ہی سکون ہے پریشانی کا نام نہیں تو اپنی بھلائی برائی پر نظر نہ کرتا۔ اور یہ نہ خیال کرنا کہ میرا کیا منہ ہے۔ کہ میں طالب حق سبحانہ بنوں بلکہ تو یہ دیکھنا کہ یہ دولت عشق الٰہی کیسی عجیب ہے۔ اور مطلوب کیسا پاکیزہ اور کسقدر دلربا ہے ۵

عابد فریب شوخی و رغبت فزا نگاہ ✣ ہیں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھکر نہو، خبردار تو یہ نہ دیکھنا کہ میں مفلس و قلاش ہوں یا ضعیف و ناتواں ہوں بلکہ تو اپنی ہمت عالی پر نظر کرنا جو تجھکو اس طلب کیلئے عطا ہوئی ہے اور خواہ تیری کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو طلب کرتے رہنا تو پیاسا ہے پس تو ہمیشہ پانی کو طلب کرتے رہنا اور یہ خیال بھی نہ کرنا کہ مجھے پانی نہ ملے گا اسلئے کہ ہونٹوں کی خشکی اور تیری طلب کہہ رہی ہے کہ تیرے ہونٹوں کی رسائی پانی کے چشمہ تک ہوگی اور تو کبھی نہ کبھی دیر یا سویر وصال مطلوب سے کامیاب ہوگا کیونکہ یہ تیرے ہونٹوں کی خشکی اور تیری طلب پانی (حق سبحانہ) کی طرف سے تیرے لئے اس امر کا پیغام اور مژدہ ہے کہ یہ تیری بیچینی ایک روز تجھے ہم تک پہونچا کے رہے گی۔ کیونکہ یہ طلب ہی ایک مبارک حرکت ہے اور راہ حق میں یہ طلب ہی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے والی ہے۔ یہ طلب تیرے مقاصد کی کنجی ہے اور یہی تیری فتح کے لئے فوج اور جھنڈے ہیں تو اس خشکی اور طلب کو ایسا سمجھنا جیسا رات کو مرغ کی اذان کہ وہ صبح کی آمد کا اعلان ہوتا ہے مانا کہ تیرے پاس سامان طلب نہیں مگر تو پریشان نہ ہو بلکہ طلب کئے جا حق سبحانہ کے رستہ کو طے کرنے کے لئے سامان صفر کی ضرورت نہیں ۵

داد حق را قابلیت شرط نیست + بلکہ شرط قابلیت داد اوست

اور بھی تجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا تو اتنا ہی کرنا کہ جسکو تو اس راہ کا طالب دیکھے اسکا رفیق بنجا اور اپنے کو اسکے حوالہ کردے کیونکہ خربوزہ کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اُن طالبین کے زیر سایہ تو بھی طالب ہو جاویگا۔ اور ان غالبین نفس و شیطان کے سایہ میں رہکر تو بھی غالب ہو جاویگا۔ یاد رکھو کہ اگر کوئی چیونٹی سلیمان کو تلاش کرے تو اُسکو نظر حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ اسکی عالی ہمتی کی داد دینا چاہیئے۔ پس تو اپنی طلب کو بھی اس چیونٹی کی طلب کے مشابہ سمجھکر حقیر نہ سمجھنا اسلئے کہ طلب بڑی چیز ہے دیکھہ تو سہی جو کچھ دولت یا ہنر تیرے پاس اسوقت موجود ہے۔ ان سے پہلے کیا تھا طلب اور خیال ہی تو تھا اسی طلب اور خیال کی برکت ہے کہ آج تو دولتمند اور صاحب کمال بنا بیٹھا ہے پس تو طلب کو حقیر سمجھکر چھوڑ نہ بیٹھنا اور یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ ملنا ہوگا خود ہی مل رہے گا۔ کیونکہ بے طلب کے کسیکو خزانہ ملجانا شاذ و نادر ہوتا ہے ظاہر تو یہ ہے کہ طلب نہ ہونے کی صورت میں دولت سے تو محرومی لازمی ہی طلب دولت سے محرومی کا اور اضافہ ہوجائے گا۔ طلب کو فضول سمجھنا سراسر حماقت ہے۔ کیونکہ من جار وجد جو طلب کرتا ہے تو جبکہ وہ اس میں سرگرم ہوتا ہے اسکو ملنا بھی ضرور ہے۔ پس جب تم طالب بنجاؤ گے تو مطلوب تمہارے لئے ضرور آسان ہو جاویگا اور ایک روز مل بھی جاویگا۔ لہذا کسی وقت بھی تم کو بے طلب نہ رہنا چاہیئے اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ مطلوب تم کو ملجاویگا۔ کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کوئی شخص کسی مطلوب کو ڈھونڈھتا ہے تو جبکہ وہ اس کام میں سرگرم ہو بالآخر اسکو مل ہی جاتا ہے پس ہمت نہ ہارو اور طلب میں چست ہوکر فائض المرام بنو خلاصہ یہ ہے کہ طلب کرو۔ اتنا تو ہم جانتے ہیں باقی ٹھیک بات کو خدا ہی زیادہ جانتا ہے اب ہم ایک قصہ سُناتے ہیں جس سے تم کو طلب اور دعا کا ثمرہ اور نتیجہ ظاہر ہو۔

ایک عاشق کی اپنے معشوق کے وصل کیوقت عشق نامہ

کو پڑھنے کی اور اُسکے مطالعہ کرنیکی حکایت اور معشوق کا اسکو ناپسند کرنا اسلئے کہ مدلول کے حصول کے بعد دلیل کو تلاش کرنا قبیح ہی اور معلوم تک پہونچ جانیکے بعد علم میں مشغول ہونا مذموم ہی

آن یکے را یار پیش خود نشاند　　نامہ بیرون کرد و پیش یار خواند

یعنی ایک شخص کو دوست نے اپنے آگے بٹھایا تو اُس شخص نے خط نکالکر یار کے سامنے پڑہنا شروع کیا۔

بیتہا در نامہ و مدح و ثنا　　زاری و مسکینی و بس لابہا

یعنی خط میں اشعار تھے اور مدح و ثنا تھی اور زاری اور مسکینی اور بہت سی باتیں۔

گریہ و افغان و حزن و درد خویش　　خواری و بیزاری با اہل و خویش

یعنی اپنا گریہ اور افغان اور حُزن اور درد اور خواری اور بیزاری اہل و اقربا کے ساتھ۔

دُوری و رنجوری از ہجران دوست　　ذکر پیغام و رسول از مغز و پوست

یعنی ہجر یار کی وجہ سے دوری اور رنجوری اور پیغام اور پیغامبر کا ذکر اور رطب و یابس اُس میں تھا۔

ہمچنین میخواند با معشوق خود　　تا کہ بیرون شد زحصر حد و عد

یعنی وہ اسیطرح اپنے معشوق کے سامنے پڑھ رہا تھا یہانتک (اسکا بیان) حد سے بہت بڑھ گیا تھا (تو اس معشوق نے اول تو صبر کیا مگر جب نوبت یہانتک پہونچی تو وہ بھی بولا کہ)

گفت معشوق این اگر بہر من است　　گاہِ وصل این عمر ضائع کردنست

یعنی معشوق نے کہا کہ اگر یہ میرے واسطے ہے تو وصل کے وقت میں یہ تو عمر کو ضائع کرنا ہے

من بہ پیشت حاضر و تو نامہ خوان　　نیست این بارے نشان عاشقان

یعنی میں تو تیرے سامنے ہوں اور تو خط پڑھ رہا ہے تو یقیناً یہ تو عاشقوں کا نشان ہے نہیں (اسلئے کہ اگر تو مجھ پر عاشق ہوتا تو اسوقت تو مجھے دیکھتا بھالتا انکو الگ پھینکتا)

گفت اینجا حاضری اما ولیک　　می نمی یابم نصیب خویش نیک

یعنی عاشق نے کہا کہ تو اس جگہ حاضر ہے لیکن میں اپنا حصہ اچھی طرح نہیں پاتا. مطلب یہ کہ تیری جو محبت مجھے پہلے تھی اب وہ جوش وخروش میرے اندر موجود نہیں ہے۔

انچہ می دیدم زتو پارینہ سال　　نیست اینم گرچہ می بینم وصال

یعنی جو بات کہ میں تیرے لئے اپنے اندر پار سال پاتا تھا وہ اسوقت نہیں ہے اگرچہ وصال دیکھ رہا ہوں. مطلب یہ کہ تیرے لئے جو جوش وخروش کہ پارسال میرے اندر تھا آج وہ موجود نہیں ہے۔

من ازین چشمہ زلالے خوردہ ام　　دیدہ و دل زآب تازہ کردہ ام

یعنی میں نے اس چشمہ (وصل) سے ایک زلال کھایا ہے اور دیدہ و دل کو آب (رخ) سے

تازہ کیا ہے (مگر)

چشمہ می بینم ولیکن آب نے   راہ آبم را مگر زد رہزنے

یعنی میں چشمۂ وصل کو دیکھ رہا ہون مگر پانی نہیں ہے میرے پانی کی راہ کسی راہزن نے ماری ہے مطلب یہ کہ وصل تو ہے مگر اسکے اندر جو پہلے جوش وخروش تھا وہ موجود نہیں ہے تو ایسا ہے کہ جیسے چشمہ ہو اور اس میں پانی نہ ہو۔ کہ وہ بے سود ہوتا ہے ایسے ہی یہ وصل بے سود ہے

گفت پس من نیستم معشوق تو   من ببلغار و مرادت در قتو

یعنی معشوق نے کہا تو میں تیرا معشوق نہیں ہون میں تو بلغار میں ہون اور تیری مراد قتو میں ہے بلغار اور قتو دو شہرون کا نام ہے۔ مطلب یہ کہ تو کچھ سوچ رہا ہے اور میں کہیں ہوں۔ تو کہاں اور میں کہاں۔ معلوم ہوا کہ میں پوری طرح تیرا معشوق ہی نہ تھا بلکہ۔

عاشقی تو بر من و بر حالتے   حالت اندر دست نبود ای فتے

یعنی تو مجھ پر اور ایک حالت پر عاشق ہے تو حالت تو قدرت میں ہوتی نہیں ہے اے جوان مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ معلوم ہوا کہ تو دو چیزون پر عاشق تھا ایک تو مجھ پر اور ایک اس حالت پر جو کہ میری وجہ سے تیری ہو جاتی تھی تو میں جزو معشوق ہوا کل معشوق نہ ہوا۔

پس نیم کلے مطلوب تو من   جزو مقصودم ترا اندر زمن

یعنی پس میں تیرا پورا مطلوب نہیں ہون بلکہ زمانہ میں تیرا جزو مقصود ہوں۔

خانہ معشوقہ ام معشوق نے   عشق بر نقد است بر صندوق نے

یعنی میں تمہارے معشوق کا گھر ہون معشوق نہیں ہون۔ عشق نقد پر ہے اور صندوق پر نہیں مطلب یہ کہ تیرے معشوق کی تو وہ حالت ہے جو کہ میری وجہ سے تیری ہوئی تھی۔

تو میں تیرے معشوقہ کا گھر ہوا باقی معشوق خود نہیں ہوں اور ایسی مثال ہے کہ جیسے صندوقچہ میں روپیہ ہیں تو کوئی نقد پر تو عاشق ہے مگر صندوق پر نہیں۔ جبتک وہ حالت رہی تو میں آپکا معشوق رہا اور جب وہ حالت جاتی رہی تو اب معشوق صاحب بھی نفرہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہست معشوق آنکہ او یکتو بود　　مبتدا و منتہایت او بود

یعنی جو کہ ایک تو ہو معشوق (بننے کے قابل) تو وہ ہے کہ مبتدا اور منتہا تیرا وہی ہو۔ یعنی جبکہ شروع عشق تھا تب بھی وہی مطلوب تھا اور جب عشق بڑھا تب بھی وہی مطلوب ہے معشوق سے یہاں مراد مرشد کامل ہے کہ اس سے جو محبت ہوتی ہے وہ اُن سے آخیر تک ویسی ہی رہتی ہے بلکہ آخر میں اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے اس سے طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی وہ معشوق بھی کامل ہوتا ہے اور عاشق بھی کامل۔ اول اسکی معشوقیت کے کمال کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون بیابی اش نباشی منتظر　　ہم ہویدا او بود ہم نیز سر

یعنی جب تم اُسکو پالوگے تو پھر منتظر نہ رہوگے ظاہر بھی وہی ہوگا اور پوشیدہ بھی وہی ہوگا۔ مطلب یہ کہ محبوبانِ مجازی میں تو اُس سے ملکر طبیعت سیر ہوجاتی ہے اور پھر اس حالت ذوق وشوق کے پیدا ہونے کا منتظر رہنا پڑتا ہے مگر جبکہ مرشد ملجاوے تو اول اُس سے طبیعت سیر نہیں ہوتی اور اسی سے کسی حالت کا انتظار نہیں ہوتا بلکہ جتنا انکی خدمت میں رہنا ہوتا ہے اسیقدر اُنس ومحبت زیادہ ہوتی جاتی ہے تو دیکھو یہ وہ معشوق ہے کہ جس میں ایک ہی حیثیت ہے دوسری نہیں اس سے طبیعت کی سیری کا احتمال بھی نہیں آگے اُسکی عاشقیت کے کمال کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

میر احوال است نے موقوف حال　　بندۂ آن ماہ باشد ماہ وسال

یعنی وہ امیر احوال ہے نہ کہ موقوف حال۔ اُس چاند کے غلام ماہ وسال ہوتے ہیں مطلب یہ کہ وہ کسی ایک حالت کا منتظر نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کہ ذوق وشوق کا طالب ہو یا اور کسی حال کا بلکہ وہ تو ابو الحال ہوتا ہے وہ حال کے تابع نہیں ہے حال اسکے تابع ہے جس حال کو چاہے وہ اپنے اوپر طاری کر لے۔ بس وہ اصل میں طالب رضاء حق کا ہوتا ہے اسکو حال ہو یا نہ ہو اسکی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

چون بگوید حال را فرمان کند   چون بخواہد جسمہا را جان کند

یعنی جب وہ بولتا ہے تو حال کو حکم کرتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو جسموں کو جان کر دیتا ہے مطلب یہ کہ جسوقت وہ بولتا ہے تو وہ جس حالت کو چاہتا ہے دوسروں پر بھی طاری کر دیتا ہے وہ احوال پر اسقدر حاکم ہوتا ہے تو طالب احوال نہیں ہوتا بلکہ وہ عاشق کامل اور طالب حق ہوتا ہے۔

منتہی نبود کہ موقوف است او   منتظر بنشستہ باشد حال جو

یعنی جو کہ موقوف (حالات) ہے اور حالات کا متلاشی بیٹھا ہوا ہے وہ منتہی نہیں ہے مطلب یہ کہ جو طالب احوال ہو وہ منتہی کدہر سے ہے طالب حق منتہی ہوا کرتا ہے جو منتہی ہوتا ہے اسکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

کیمیائے حال باشد دست او   چون بجنباند شود مس مست او

یعنی اسکا ہاتھ حالات کا کیمیا ہوتا ہے تو وہ اسکو جب ہلاتا ہے تو مس اسکا مست ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ کیمیا ماہیت اشیاء کو بدل دیتی ہے اور ناقص سے کامل بنا دیتی ہے اسیطرح منتہی کا ہاتھ ماہیت حال کیلئے کیمیا ہوتا ہے کہ اسکی توجہ سے وہ حال مقام بنجاتا ہے

گر بخواہد مرگ ہم شیرین شود   خار و نشتر نرگس و نسرین شود

یعنی وہ اگر چاہے تو مرگ بھی شیرین ہو جاوے اور خار و نشتر بھی نرگس اور نسرین ہو جاویں
مطلب یہ کہ اگر وہ چاہے تو ایسے حالات پیدا کرے کہ مصائب و مجاہدات و ریاضات
سب خوشگوار اور آسان ہو جاویں۔

او بود سلطان حال اندروش — نے چو تو محروم در حال و کشش

یعنی وہ سلوک میں سلطان احوال ہوتا ہے نہ کہ تیری طرح حال اور افعال میں محروم ہوتا ہے

آنکہ او موقوف حالست آدمی است — کہ گہے افزون و گاہی در کمی است

یعنی جو شخص کہ موقوف حال ہے وہ (صرف) آدمی ہے کہ کبھی زیادتی میں ہے اور کبھی کمی میں آدمی
سے مراد نرا آدمی جو صفات کمالیہ سے عاری ہو تو جو شخص کہ موقوف احوال ہے وہ تو صرف ایک
آدمی ہے باقی کمالات اسکے اندر نہیں ہیں۔

صوفی ابن الوقت باشد در مثال — لیک صافی فارغ است از وقت و حال

یعنی اپنی حالت میں صوفی تو ابن الوقت ہوتا ہے لیکن صافی وہ وقت اور حال سے فارغ ہوتا ہے
وہ تابع حال نہیں ہے بلکہ احوال خود اسکے تابع ہیں۔

حالہا موقوف فکر ورائے او — زندہ از نفخ مسیح آسائے او

یعنی احوال اُسکی فکر ورائے کے موقوف ہوتے ہیں اور اسکی مسیح جیسے نفخ سے زندہ ہوتے ہیں
یعنی احوال خود اُسی کے تابع ہوتے ہیں آگے پھر اس معشوق کا قول فرماتے ہیں کہ

عاشق حالے نہ عاشق بر منے — بر امید حال بر من مے تنے

یعنی اُس معشوق نے کہا کہ (اے عاشق) تو حال کا عاشق ہے نہ کہ میرا ہاں اس حال کی امید
پر میرے پر بھی تنتا ہے مطلب یہ کہ اس امید پر کہ اسکے پاس حال ملجاوے گا میرے پاس

آتے ہو ورنہ اصل میں میرے عاشق ہو ہی نہیں چونکہ یہاں دو شخص ہیں ایک عاشق ہے اور ایک معشوق اور عشق ہے مجازی تو آگے مجازی عاشقی اور معشوقی دونوں کا نقص بیان فرماتے ہیں جس میں اول معشوقی کے نقص کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ گہ ناقص گہے کامل بود　　نیست معبود خلیل آفل بود

یعنی جو کہ کبھی ناقص اور کبھی کامل ہووے وہ معبود خلیل نہیں ہے وہ تو غافل ہوگا مطلب یہ کہ وہ اس قابل نہیں کہ اسکو مقصود بنایا جاوے بلکہ وہ تو زائل و فانی ہے۔

وانکہ آفل باشد وگہ آن و این　　نیست دلبر لا احب الآفلین

یعنی جو کہ آفل ہووے اور کبھی ایسا اور کبھی ویسا تو وہ دلبر نہیں ہے اور میں زائل ہونیوالونکو پسند نہیں کرتا لا احب الآفلین میں قرآن شریف سے استدلال کرکے انکا ناقص اور غیر معتبر ہونا بیان فرماویا آگے انکی عاشقی کے نقص کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ او گاہے خوش و گہ ناخوش است　　یکزمانے آب و یکدم آتش است

یعنی جو کہ وہ کبھی خوش اور کبھی ناخوش ہے ایک گھڑی میں پانی اور ایک دم میں آگ ہے مطلب یہ کہ ایک دم میں عاشق ہے اور ایک دم میں نہیں ہے۔

برج مہ باشد ولیکن ماہ نے　　نقش بت باشد ولے آگاہ نے

یعنی وہ برج ماہ ہوتا ہے لیکن ماہ نہیں ہوتا اور نقش بت ہوتا ہے لیکن آگاہ نہیں ہوتا مطلب یہ کہ جسطرح کہ برج ماہ میں صرف ماہ ہی نہیں رہتا بلکہ متفرق ستارے آتے رہتے ہیں اسیطرح اس شخص کی حالت بھی ہمیشہ متغیر رہتی ہے۔

ہست صوفی صفا جون ابن وقت　　وقت را ہمچون پدر بگرفتہ سخت

یعنی صوفی (طالب) صفا جبکہ ابن وقت ہے وقت کو باپ کی طرح مضبوط پکڑے ہوئے ہے مطلب یہ کہ جو صوفی کہ طالب صفا ہے اور مجاہدہ کر رہا ہے وہ ابھی ابن الوقت اور تابع حال ہے تو چونکہ وہ ابن الوقت ہے بس جس طرح کہ بچہ اپنے باپ کو مضبوط پکڑے ہوتا ہے اور جدہر وہ جاوے اسی طرف کو بچہ بھی جاتا ہے اسیطرح یہ شخص ہے کہ جس طرف کو حال اور وقت پھرتا ہے اسیطرح یہ بھی پھرتا ہے اور بالکل وقت کے تابع ہوتا ہے۔

ہست صافی غرق عشق ذوالجلال ابن کس نے فارغ از اوقات و حال

یعنی صافی عشق ذوالجلال میں غرق ہے وہ کسی کا ابن نہیں ہے وہ اوقات و حال سے فارغ ہے یعنی وہ کسیکا تابع نہیں ہے اور نہ ان اوقات و حالات کا مقید ہے بلکہ وہ جس حال میں رہنا چاہتا ہے رہتا ہے اور جس حالت کو چاہتا ہے پیدا کر لیتا ہے مثلاً خشیت کے پیدا کرنے کو دل چاہا پیدا کر لے۔ رغبت اور شوق کو دل چاہا اسکو طاری کر لیا علی ہذا۔

غرقۂ نورے کہ او لم یولد ست لم یلد لم یولد آن ایزدست

یعنی وہ اُس نور میں غرق ہے جو کہ لم یولد ہے اور لم یلد اور لم یولد خاصۂ حق ہی ہے مطلب یہ کہ چونکہ وہ فنا فی اللہ ہو گیا ہے اسلئے وہ ابن الوقت نہیں بن سکتا اسلئے کہ ذات حق کی شان لم یلد ولم یولد ہے لہذا بس یہ ابن الوقت نہیں بلکہ ابو الوقت یعنی تا ور علی الحال اور علی الوقت ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

رو چنین عشقے گزین گر زندۂ ورنہ وقت مختلف را بندۂ

یعنی جا اگر تو زندہ ہے تو ایسے عشق کا طالب ہو ورنہ وقت مختلف ہی کا بندہ رہے گا۔ یعنی ہمیشہ تابع حال ہی رہے گا اور ابن الحال سے ابو الحال کبھی نہ بن سکے گا لہذا عشق حق پیدا کر کہ اس سے کامل ہو جاوے گا۔ اب یہاں کسیکو شبہ ہو سکتا ہے کہ بھلا کہاں ہم کہاں عشق حق لہذا آگے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

منگر اندر نقش خوب و زشت خویش   بنگر اندر عشق و بر مطلوب خویش

یعنی تو اپنے اچھے برُے وجود مین نظر مت کر بلکہ عشق اور اپنے مطلوب کو دیکھ مطلب یہ کہ ہم نے مانا کہ تم کسی قابل نہ سہی مگر تم اپنے اوپر نظر ہی کیوں کرتے ہو حق تعالےٰ کی قدرت اور اسکے کرم پر نظر کرو کہ ؎

تو مگو ما را بدان شہ بار نیست   + بر کریما کارہا دشوار نیست

تو اگر تم کسی قابل نہیں تو دینے والا تو سب قابل ہے وہ تو عنایت فرما سکتا ہے پھر مایوسی کی کیا وجہ ہے۔

منگر آنکہ تو حقیری یا ضعیف   بنگر اندر ہمت خود ای شریف

یعنی اسکو مت دیکھو کہ تم حقیر ہو یا ضعیف ہو ارے بھلے مانس تم اپنی ہمت کو دیکھو۔

تو بہر حالے کہ باشی می طلب   آب میجو دائما اے خشک لب

یعنی تو جس حال میں بھی ہو طلب کرتا رہ اور اے خشک لب پانی کی تلاش کر مطلب یہ کہ تم کیسے ہو ضعیف ہو جس حال میں بھی ہو طلب پیدا کرو پس جب طلب پیدا کرو گے تو یہ ہو گا کہ۔

کان لب خشکت گواہی میدہد   کو بآخر بر سر منبع رود

یعنی کہ وہ تمہارا لب خشک گواہی دیتا ہے کہ وہ آخر کار کسی منبع پر جاوےگا یعنی تمہاری طلب گواہی دیتی ہے کہ وہ ایک دن ضرور واصل کر دیگی بس اگر کچھ نہ ہو سکے تو اتنا تو کرو کہ طلب اور تگاپوئے بھی بڑی چیز ہے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ طلب کے ساتھ انشاء اللہ ضرور ہدایت ہوگی۔

خشکی لب ہست پیغامی ز آب   کہ بمات آرد یقین این اضطراب

یعنی لب کی خشکی پانی کا پیغام ہے کہ (اے طالب) یہ اضطراب تجھے ہم تک یقیناً لاویگا۔

کاین طلبگاری مبارک جنبشے است این طلب در راہ حق مانع کشے است

یعنی کہ یہ طلبگاری ایک مبارک حرکت ہے اور راہ حق میں یہ طلب مانع کش ہے (جب طلب ہوتی ہے تمام موانع مرتفع ہوجاتے ہیں جیساکہ مشاہدہ ہے)

این طلب مفتاح مطلوبات تُست این سپاہِ نصرت و رایات تُست

یعنی یہ طلب تمہاری مطلوبات کی مفتاح ہے اور یہ تمہاری نصرت کی سپاہ اور (فتح کے) جھنڈے ہیں۔

این طلب ہمچون خروسے در صیاح میزند نعرہ کہ مے آمد صباح

یعنی یہ طلب مثل ایک خروس کے چیخنے میں نعرہ مار رہی ہے کہ صبح آتی ہے۔ یعنی کہ جسطرح کہ مُرغ آواز کرتا ہے اور اس سے صبح کی آمد معلوم ہوتی ہے اسیطرح اس طلب سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کامیابی نمودار ہونے والی ہے۔

گرچہ آلت نیستت تو می طلب نیست آلت حاجت اندر راہِ رب

یعنی اگرچہ تمہارے پاس آلہ نہیں ہے تو تم طلب کرتے رہو کہ راہِ رب میں آلہ کی حاجت نہیں ہے مطلب یہ کہ اگرچہ تمہارے پاس سامان نہ ہون تم صرف طلب میں رہو کہ انشاء اللہ ہی سے کام نبجاویگا۔ اب بعض ایسے ہین جو کہ طلب بھی پیدا نہیں کرسکتے تو اُنکے لئے ایک اور تدبیر فرماتے ہیں کہ۔

ہر کرا بینی طلبگار اے پسر یار او شو پیش او انداز سر

یعنی اے صاحبزادے جسے تم طلبگار دیکھو اسکے ساتھی ہوجاؤ اور اسکے سامنے سر ڈالدو۔

مطلب یہ کہ اگر خود طلب پیدا نہیں کر سکتے تو طالبون کی خدمت میں رہو کہ اسی سے انشاء اللہ فلاح نصیب ہوگی۔ آگے خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

کز جوار طالبان طالب شوی　　وز ظلال غالبان غالب شوی

یعنی طالبین کے جوار سے طالب بنجاوگے اور غالبین کے سایہ سے غالب ہوجاوگے۔

گر یکے مورے سلیمانے بجست　　منگر اندر جستن او سست سست

یعنی اگر کوئی چیونٹی سلیمان کو طلب کرے تو اُسکی طلب میں سُست سُست مت دیکھو یعنی اگر کوئی ضعیف آدمی طالب حق ہو تو اسکو ضعیف سمجھکر یہ مت سمجھو کہ یہ کیا طالب ہوگا بلکہ اُسکو بھی طالب سمجھو ممکن ہے کہ وہ بڑے پایہ کا شخص ہو۔ پس اول تو طلب خود حاصل کرو اور اگر خود طلب پیدا نہ کرسکو تو طالبون کی خدمت میں رہو اسی سے امید نفع کی ہے آگے طلب کی برکت بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہر چہ داری تو ز مال و پیشہ　　نے طلب بود اول و اندیشہ

یعنی تم جو اسوقت مال اور پیشہ رکھتے ہو تو کیا یہ اول ایک طلب اور ایک خیال نہ تھا۔ اور آج وہی مال و دولت کی صورت میں ہے تو اسیطرح اگر تم طلب لگالوگے تو انشاء اللہ ایک روز گنج مقصود تک پہونچ جاؤگے اب یہان بعض بزرگون کے قصے پڑھنے والون کو شبہ ہوا کہ یہ تو کہتے ہیں کہ بے طلب اور مجاہدہ کے ملتا ہی نہیں حالانکہ بعض کو ملگیا جیسا کہ بزرگونکے قصون سے معلوم ہوتا ہے مولانا اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

گر یکے گنجے بیابد نادر است　　ور باشد از طلب ہم قاصر است

یعنی اگر کوئی ایک خزانہ پالے تو یہ نادر ہے اور اگر یہ شخص طلب سے ٹھیر جاوے تو قاصر ہی مطلب یہ کہ اول تو اسطرح ملجانا بہت ہی نادر ہے اور اگر کسیکو ملجاوے اور پھر وہ طلب نہ کرے تو انجام یہ ہوگا کہ اسکو بھی کھو بیٹھے گا۔

اسلئے کہ بزرگون کی توجہ سے جسکو حاصل ہوا ہے صرف قوت اور استعداد حاصل ہو جاتی ہے۔
باقی قرب حق حاصل نہیں ہوتا قرب ہمیشہ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے تو فرماتے ہیں کہ جسکو
ملگیا ہے اُس نے بھی آخر طلب ہی کی ہے اور اگر اُس نے طلب چھوڑ دی تو وہی قاصر رہگیا
لہذا چاہیئے کہ انسان خود طلب کرے اور ایسے حضرات کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اُن کو
تو دیکھا کہ جنکو بلا طلب کے ملگیا ہے اگر چہ وہ دو چار ہی تھے مگر ان پر تو نظر گئی اور اُن لاکھوں
کو نہ دیکھا کہ جو طلب اور مجاہدہ و ریاضت کر کے ہی واصل ہوئے ہیں سخت افسوس کی بات ہے۔
اور کسقدر کم ہمتی کی بات ہے کہ اُن پر نظر گئی اور اِن پر نہ گئی اور یاد رہے اکثر جنکو ایسا ہوا ہے
انکو جنون ہو جاتا ہے مرجاتے ہیں اسلئے کہ وہ ایک دم سے تحمل نہیں کر سکتے انکی ایسی مثال
ہو جاتی ہے جیسے کہ کسی برتن میں اُسکی گنجایش سے زائد چیز بھری جاوے تو یقیناً وہ پھٹ جاویگا
تو اسیطرح جب ان میں ایک مرتبہ ہی وہ استعداد بھری جاتی ہے تو ان کو یا تو جنون ہو جاتا
ہے یا مرجاتے ہیں اور جنکو ایسا نہیں ہوا جیسے کہ مثلاً شاہ بھیک صاحب وغیرہ تو اسکی وجہ
یہ ہوتی ہے کہ وہ حضرات پہلے سے مجاہدات و ریاضات کئے ہوئے ہوتے ہیں بس صرف ایک
نظر کی دیر ہوتی ہے کہ فضل ہو جاتا ہے اور فضل ہمیشہ ایک لمحہ ہی میں ہوتا ہے اس کے
مقدمات بیشک پہلے سے ممہد کئے جاتے ہیں بس یاد رکھو کہ بے طلب کے کسی کو قرب
و وصول نہیں ہوا ہے اور طلب سے جس نے چاہا وہ اصل و مقرب بنگیا ہے اسیکو مولانا
فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ چیزے جست بیشک یافت او　　　چون بجد اندر طلب بشتافت او

یعنی جس کسی نے کوئی چیز تلاش کی بیشک اُس نے پالی جبکہ کوشش سے طلب میں دوڑا یعنی
ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ جس نے جب کچھ طلب کیا ضرور اسکو پالیا۔

چون نہادی در طلب پائی بسر　　　یافتی وشد ملیسر بے خطر

یعنی اے صاحبزادے جب تو نے (کسی شے کی) طلب میں پاؤن رکھا تو اسکو پالیا ہے اور

وہ بے خطر کے میسر ہو گئی ہے۔

ہیں مباش ای خواجہ یکدم بے طلب تا بیابے ہر چہ خواہے بے تعب

یعنی ائی خواجہ ایکدم بے طلب کے مت رہو. تا کہ جو تم چاہتے ہو اُسکو بے تعب کے پالو۔

عاقبت جوئیندہ یابندہ بود چونکہ در خدمت شتابندہ بود

یعنی آخر کار تلاش کرنے والا پانے والا ہوتا ہے چونکہ وہ طلب میں دوڑنے والا ہوتا ہے۔
مطلب یہ کہ طالب چونکہ طلب میں کوشاں ہوتا ہے تو مطلوب اسکو مل ہی جاتا ہے۔

در طلب چالاک شو این فتح باب ہے طلب واللہ اعلم بالصواب

یعنی طلب میں چست و چالاک رہ اور اس فتح باب کو طلب کر واللہ اعلم بالصواب۔ یعنی قرب حق کے باب کے فتح کو طلب کر اور اسمیں کوشاں رہ تا کہ ایک روز حاصل ہو جاوے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک شخص روز و شب دعا کیا کرتا تھا کہ یا الہی مجھے امیر کر دے۔ مگر مجھے کمانا نہ پڑے اسیطرح اسکو ایک مدت گذر گئی اتفاق سے ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا تو گھر میں ایک گائے گھس آئی اُس نے اُسکو ذبح کر لیا اور کھا گیا قاضی کے یہاں اسکا مقدمہ گیا تفتیش ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ گائے اسی کی تھی اور اسکے باپ کا ایک غلام تھا اُس نے اُسکے باپ کو قتل کر کے اسکا مال سب چھین لیا تھا اور یہ مفلس رہگیا تھا اسی مال میں سے خریدی ہوئی وہ گائے تھی تو دیکھو اُس نے اور کچھ تو کیا نہیں مگر اسکو طلب تھی تو سب کچھ مل گیا یہ لگا رہا طلب کو چھوڑا نہیں بس اسیطرح تم لگ لپٹ کر کام کرو تو جوئیندہ یابندہ بود کے مصداق ہو جاؤ گے۔ اب حکایت سُنو۔

شرح حبیبی

آن یکے در عہد داؤد نبیے نزد ہر دانا و پیش ہر غبیے

این دعا میکرد دائم کائے خدا
ثروتے بے رنج روزی کن مرا

چون مرا تو آفریدی کاہلے
زخم خواری سست جنبے منبلے

بر خران پشت ریش بے مراد
بار اسپان و شتران نتوان نہاد

کاہلم چون آفریدی ای ملے
روزیم دہ ہم ز راہ کاہلے

کاہلم من سایہ خسپم در وجود
خفتم اندر سایۂ احسان و جود

کاہلان و سایہ خسپان را مگر
روزیے بنہادۂ نوع دگر

ہر کرا پا ہست جوید روزیے
ہر کرا پا نیست کن دلسوزیے

رزق را میران بسوی این حزین
ابر را باران می کش ہر زمین

چون زمین را پا نباشد جود تو
ابر را راند بسوئے او دو تو

طفل را چون پا نباشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ بر سرش

روزیے خواہم بناگہ بے تعب
کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

مدتے بسیار میکرد این دعا | روز تا شب شب ہمہ شب تا ضحیٰ
خلق می خندید بر گفتار او | بر طمع خامے و بر بیکار او
کہ چہ می گوید عجب این سست ریش | یا کسے داوست بنگ بیہشیش
راہ روزی کسب و رنج ست و تعب | ہر گز این نا در نشد و رشد عجب
ہر کسے را پیشۂ داد و طلب | از رہ کسب و تعب با رنج و تب
اطلبوا الارزاق من اسبابہا | وادخلوا الاوطان من ابوابہا
شاہ و سلطان و رسول حق کنون | ہست داؤد نبے ذو فنون
ہست در فرمان او از وحش و طیر | در ہمہ روئے زمین او راست سیر
با چنان عزے و نازی کاندروست | کہ گزیدستش عنایتہائے دوست
معجزاتش بے شمار و بے عدد | موج بخشایش مدد اندر مدد
ہیچکس را خود ز آدم تا کنون | کے بدست آواز ہمچون ارغنون

کو بہر وعظے بمیراند دویست / آدمے را صوت خوبش کردہ نیست

شیر و آہو جمع گردد آزمان / سوئے تذکیرش مغفل این ازان

کوہ و مرغان ہم رسائل با دمش / ہر دو اندر وقت دعوت محرمش

این و صد چندان مرادار معجزات / نور رویش بے جہات و در جہات

با ہمہ تمکین خدا روزئ او / کردہ باشد بستہ اندر جستجو

بے زرہ بافی و رنج روزیش / مے نیاید با ہمہ فیروزیش

اینچنین مخذول واپس ماندۂ / خانہ کندہ دون و گردون راندۂ

اینچنین مدبر ہمے خواہد کہ او / گنج یابد تا رود پایش فرد

زاحمقی خواہد کہ بے رنجش زود / بے تجارت پر کند دامن ز سود

اینچنین گنجے نیامد در جہان / کہ برآید بر فلک بے نردبان

این ہمی گفتش بہ تسخر زرگیر / کہ رسیدت روزی و آمد بشیر

وان همی خندید ما را هم بده — زانچه یابی هدیه ای سالار ده

او ازین تشنیع مردم وین فسوس — کم نمی کرد از دعا و چاپلوس

تا که شد در شهر معروف و شهیر — کو ز انبان تهی جوید پنیر

شد مثل در خام طمعی آن گدا — او ازین خواهش نمی آید جدا

کم نمی کرد از دعا و ابتهال — کرد اجابت مستعان ذوالجلال

گر گران و گر شتابنده بود — عاقبت جوینده یابنده بود

تا که روزی ناگهان در چاشتگاه — این دعا میکرد با زاری و آه

ناگهان در خانه اش گاوی دوید — شاخ زد بشکست دربند و کلید

گاو گستاخ اندران خانه بجست — مرد بر جست و قوائمهاش بست

پس گلوی گاو ببرید آن زمان — بی توقف بی تأمل بی امان

چون سرش ببرید شد سوی قصاب — تا اهابش بر کند در دم شتاب

داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص ہر سمجھدار اور بے سمجھ کے سامنے ہمیشہ یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ جب تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے اور پڑا پڑا کھانے والا۔ اور کم حرکت کرنے والا اور کاہل بنایا ہے تو تو مجھے بے مشقت دولت عنایت فرما۔ کمر لگے ہوئے نامراد گدہوں پر گھوڑوں اور اونٹوں کا بوجھ نہیں لادا جا سکتا ہے پس جبکہ تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو مجھ پر کسب کی مشقت کا بار نہ ڈال اور کاہلی ہی کے ذریعہ سے مجھے روزی عطا کر میں کاہل ہوں اور جب سے پیدا ہوا ہوں سایہ ہی میں سوتا ہوں۔ محنت کیلئے کبھی دہوپ میں نہیں نکلا اور اب تک تیرے احسان وجود ہی کے سایہ میں سویا کیا۔ کبھی مشقت و محنت برداشت نہیں کی مگر روزی ملا کی معلوم ہوتا ہے کہ کاہلوں اور سایہ میں سونے والوں کیلئے تو نے روزی کا ذریعہ کسب کے علاوہ کوئی اور مقرر کیا ہے۔ پس جنکے پاؤں ہیں وہ تو اپنی روزی اسی طریقہ سے طلب کرتے ہیں جو انکے لئے مقرر ہے یعنی محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اور جسکے پاؤں نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا لہذا تو اس پر رحم کر اور اس کسب کے علاوہ دوسری طرح سے روزی پہونچا اور اپنے باران کرم کو اسی زمین تک محدود نہ رکھ۔ بلکہ مجھکو بھی اس سے متمتع کر کہ میں بھی زمین ہی کی طرح بے دست و پا ہوں آپ کا قاعدہ ہے کہ زمین کے پاؤں یعنی قدرت علی الکسب نہ ہوتے کے سبب اپنے کرم سے ابر کو اسکی طرف جھکاتے اور چلاتے ہیں نیز بچہ چونکہ پاؤں یعنی قدرت علی الاکتساب نہیں رکھتا اسلئے آپ کے حکم سے ماں خود آکر اسکی مقررہ غذا اسکو دیتی ہے بس اسیطرح میں بھی چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اچانک اور بے مشقت کہیں سے دولت ملجاوے کیونکہ میرے پاس طلب کے سوا کوئی اور کوشش نہیں ایک عرصہ تک وہ یہی دعا کرتا رہا صبح سے شام تک شام سے صبح تک اور صبح سے دوپہر تک اسکا یہی کام تھا۔ لوگ اسکی اس دعا پر۔ اور طمع خام اور رزق سے مخالفت یعنی اسکو طلب نہ کرنے پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو تو یہ احمق بک کیا رہا ہے۔ کسی نے اسکو بھنگ پلا کر بیہوش تو نہیں کر دیا ہے۔ روزی حاصل کرنے کا طریقہ تو کمانا اور محنت و مشقت کرنا ہی ہے۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا جسطرح یہ مانگتا ہے اور اگر ہوا ہو تو نہایت ہی تعجب خیز بات ہے۔ ہر شخص کو اس نے ہنر عطا کیا ہے اور غم اور بیماری کے باوجود بھی کمانے اور مشقت اٹھانے کے ذریعہ سے طلب

کرنا بتایا ہے اور یہ کہا ہے کہ رزق کو سبب سے تلاش کرو اور گھروں میں دروازے سے جاؤ۔
دیکھو اسوقت داؤد علیہ السلام ہیں وہ بادشاہ بھی ہیں اور رسول بھی وحوش وطیور انکے تابع
فرمان ہیں اور تمام زمین پر گھوم سکتے ہیں انکو یہ عزت اور ناز حاصل ہے کہ حق سبحانہ تے انکو
اپنے افضال وانعامات بیحد کے ذریعہ سے اپنا مقرب بنایا ہے۔ معجزات انکے بیشمار اور بے گنتی
ہیں اور حق سبحانہ کے دریائے کرم کی موجیں ان تک برابر پہونچ رہی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام
کے زمانہ سے لیکر ابتک کسیکو بھی ایسی پاکیزہ آواز نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ہر وعظ میں اپنی
خوش آوازی سے دوسو آدمیونکو مار ڈالتے ہیں اور آدمی اُس عمدہ آواز کو سُنکر جان دیدیتے
ہیں انکے وعظ میں شیر اور ہرن جمع ہوجاتے ہیں اور اتنے مست ہوتے ہیں کہ ایک کو ایک
کی خبر نہیں ہوتی۔ پہاڑ اور پرندے اُنکی بات کا جواب دیتے ہیں اور جب وہ انکو بلاتے
ہیں تو وہ ان سے آشنا ہوتے ہیں یہ بھی معجزات ہیں اور انکے علاوہ اور سیکڑوں معجزے
ہیں انکے منہ کا نور بظاہر جہات میں ہے مگر فی الحقیقت بے جہات ہے کیونکہ وہ نور حق سبحانہ
ہے جو جہات سے منزہ ہے اسقدر عزت وناز اور اسقدر شوکت وقدرت کے باوجود بھی
حق سبحانہ نے انکی روزی کا وسیلہ طلب اور جد وجہد کو ہی قرار دیا ہے وہ باوجود اس
خوش اقبالی کے بھی بدون روزی کے لئے تکلیف اُٹھائے اور بغیر زرہ بنے روزی نہیں
پاتے اور یہ ایسا مطرود ومردود وخانہ خراب ذلیل منحوس و بدبخت ہوکر چاہتا ہے کہ اُسکو
خزانہ ملجاوے کہ اسکے پاؤں اُسیں دھنس جائیں وہ اپنی حماقت سے چاہتا ہے کہ بلا کسی
زحمت اور بلا کسی تجارت کے جلدی سے نفع سے پلہ بھرلے۔ اسطرح تو خزانہ دُنیا میں کسی کو بھی
نہیں ملتا۔ بھلا بتلاؤ تو کون ہے جو آسمان پر بغیر سیڑہی کے چڑھ جاوے جب کوئی نہیں
بلکہ ہر ایک کو سیڑہی اور سبب کی ضرورت ہے تو یہ ایسا کہاں کا ہے کہ اُسکو حصول دولت
کیلئے سبب کی ضرورت نہیں کوئی اس سے مسخرہ پن کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اے مبارک تیری
روزی آگئی اور تیرا خوشخبری دینے والا آگیا۔ لے روپیہ۔ دوسرا بنانے کو کہتا تھا کہ لیجئے
ابتو آپ گاؤں کے رئیس اور سردار ہوگئے جو کچھ آپ کو ملا ہے اسیں سے ہم کو بھی دلوایئے
غرض لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے تھے مگر وہ ان بدونکی طعن وتشنیع کے سبب دعا والحاح میں کمی کرتا تھا

یہانتک کہ یہ بات تمام شہر میں مشہور ہوگئی کہ فلاں شخص سعی لاحاصل میں مصروف ہے کہ وہ خالی توشہ دان میں سے پنیر تلاش کرتا ہے اور وہ فقیر اتنا مشہور ہوا کہ طمع خام میں ضرب المثل ہوگیا لیکن وہ اپنی اس خواہش کو نہیں چھوڑتا تھا اور دعا و گریہ وزاری میں کمی نہ کرتا تھا بالآخر حق سبحانہ نے اُسکی دعا قبول فرمائی۔ کیوں نہ ہو خواہ کوئی کاہل ہو خواہ چست وچالاک جب پوری کوشش کے ساتھ کسی شے کو ڈھونڈھتا ہے تو وہ مل ہی جاتی ہے اُس قبولیت دُعا کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ ایک روز دوپہر کے وقت بیٹھا ہوا آہ وزاری کے ساتھ دُعا کر رہا تھا کہ اچانک اُسکے گھر میں ایک گائے دوڑکر گھس گئی اور سینگ مارکر اُس نے کواڑ اور زنجیر کنڈا سب توڑ دیا جوں ہی گائے اندر گھسی ہے اُس نے فوراً اُٹھکر اُسکے ہاتھ پاؤں باندھ دئے اور نہ ایک کی نہ دو کی فوراً ہی اُسکو ذبح کر دیا جب ذبح کرچکا تو قصائی کے یہاں گیا کہ وہ فوراً ہی اُسکی کھال اتار دے اس قصہ کو یہانتک پہونچا کر مولانا دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

حکایت اُس شخص کی کہ داؤد علیہ السّلام کے زمانہ میں راتدن یہ دُعا کیا کرتا تہا کہ اے اللہ مجھے حلال روزی بلا رنج وکسب کے عنایت فرما

آن یکے در عہد داؤدِ نبیے — نزد ہر دانا و پیش ہر غبیے

این دعا مے کرد دائم کاے خدا　　ثروتے بے رنج روزی کن مرا

یعنی ایک شخص حضرت داؤد نبی کے زمانہ میں ہر دانا اور ہر نادان کے سامنے یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اسے خدا مجھے بے محنت کے امیری عنایت فرما دے۔ اور کہا کرتا تھا کہ۔

چون مرا تو آفریدی کاہلے　　زخم خوارے سست جنبے مبتلے

یعنی جبکہ آپ نے مجھے کاہل اور زخم خوار اور سست اور بے حس پیدا فرمایا ہے۔

بر خران پشت ریش نا مراد　　بار اسپان و اشتران نتوان نہاد

یعنی زخمی کمر والے گدہون نامراد پر گھوڑون اور اونٹون کا بوجھ نہیں رکھہ سکتے ہیں۔

۷۸

کاہلم چون آفریدی اے ملے　　روزیم دہ ہم ز راہِ کاہلے

یعنی اسے غنی جبکہ تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو کاہلی ہی کی راہ سے مجھے روزی بھی عنایت فرما۔

کاہلم من سایہ خسپم در وجود　　خفتم اندر سایۂ افضال و جود

یعنی میں کاہل ہون اور زندگی مین سایہ میں سونے والا ہون (یعنی آرام طلب ہوں) تو اب میں آپ کے افضال وجود کے سایہ میں سوتا ہوں۔

کاہلان و سایہ خسپاں را مگر　　روزئے بنہادۂ نوعِ دگر

یعنی کاہلون اور آرام طلبون کیلئے شاید آپ نے کسی دوسری طرح روزی دینا رکھا ہوگا (بس اسی طرح مجھے بھی عنایت فرما)

ہر کرا پا ہست جوید روزئے　　ہر کرا پا نیست کن دلسوزئے

یعنی جسکے پاؤں ہیں وہ تو روزی کو تلاش کرتا ہے اور جسکے پاؤں نہیں اُسکی آپ دلسوزی کیجئے

رزق را میران بسوئی آں حزین　　ابر را باران بسوئے ہر زمین

یعنی اُس کاہل غمگین کی طرف آپ رزق کو چلا دیجئے اور ابر کو ہر زمین کی طرف برسا دیجئے اسلئے کہ یہ خود کچھ نہیں کرسکتے۔ آگے مثالیں ہیں کہ)

چون زمین را پا نباشد جود تو　　ابر را راند بسوئے او دو تو

یعنی جبکہ زمین کے پاؤں نہیں ہوتے تو تیرا جود ابر کو اُسکی طرف مکرر سکرر چلاتا ہے۔

طفل را چون پا نباشد مادرش　　آید و ریزد وظیفہ بر سرش

یعنی طفل کے جب پاؤں نہیں ہوتے تو اُسکی ماں آتی ہے اور خوراک اُسکے سر پر ڈالدیتی ہے یعنی خود اُسکو دودھ آکر پلاتی ہے۔ بس اسیطرح مجھے بھی آپ بلا میری کوشش کے دیجئے۔

روزئے خواہم بناگہ بے تعب　　کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

یعنی میں روزی کا (اکھٹے) ایکدم سے بے تعب کے طالب ہوں کہ میں کوشش سے سوائے طلب کے اور کچھ نہیں رکھتا۔ یعنی طلب تو ہے باقی اور کسب وغیرہ کر نہیں سکتا۔

مدتے بسیار میکرد این دعا　　روز تا شب شب ہمہ شب تا ضحیٰ

یعنی ایک مدت کثیر تک وہ یہ دعا کرتا تھا دن سے رات تک اور ساری رات چاشت تک۔

خلق می خندید بر گفتار او　　بر طمع خامے و بر بیکار او

یعنی مخلوق اُسکی بات پر ہنستی تھی اور اُسکی خام طمعی پر اور اُسکے اس اصرار پر۔

کہ چہ میگوید عجب این سست ریش　　یا کسے دادست بنگ بیہشیش

یعنی کہ یہ مسخرہ کیا عجب بات کہتا ہے یا اسکو کسی نے بیہوشی کی دوا دیدی ہے۔

راہ روزی کسب و رنج ست و تعب　　ہرگز این نادر نشد ور شد عجب

یعنی روزی کی راہ تو کسب ہے اور رنج و تعب ہے اور یہ (جو یہ کہتا ہے یہ) نادر تو ہوا نہیں اور اگر ہوا ہو تو عجب ہے یعنی اگر ہوا ہے تو نادر ہو گیا مگر اسکو کہاں سے ملجاویگا۔

ہر کسے را پیشۂ داد و طلب　　از رہ کسب و طلب با رنج و تب

یعنی حق تعالےٰ نے ہر ایک کو ایک پیشہ اور (ذریعہ) طلب راہ کسب اور طلب سے رنج و تب کے ساتھ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ جبکو ملتا ہے سب کو کمانے سے اور کوشش کرنے سے ہی ملتا ہے۔

اطلبوا الارزاق من اسبابہا　　وادخلوا الاوطان من ابوابہا

یعنی رزقون کو اُسکے اسباب سے طلب کرو اور گہرون مین اُنکے دروازوں سے داخل ہو۔ دوسرے مصرعہ کا مضمون تو قرآن شریف سے ثابت ہے اور اول مصرعہ دوسری ادلہ سے ظاہر و باہر ہے کہ حق تعالےٰ نے تمام دنیا کے کارخانہ کو اسباب ہی پر رکہا ہے اگرچہ اُنکی قدرت سب کچھ ہے مگر پھر بھی اسباب ہی سے کام چلتا ہے اور یہ کہتے تھے کہ۔

شاہ و سلطان و رسول حق کنون　　ہست داؤدِ نبی ذو فنون

یعنی بادشاہ اور سلطان اور رسول حق کہ اب یہ داؤد نبی ذو فنون ہیں۔

ہست در فرمان او از وحش و طیر　　در ہمہ روئے زمین او راست سیر

یعنی اُنکے حکم میں وحوش و طیور سب ہیں اور تمام روئے زمین مین اُنکو سیر (حاصل) ہے۔

با چنان عزی و نازی کاندروست　　کہ گزیدش عنایتہائے دوست

یعنی باوجود اپنی عزت و ناز کے جو کہ اُن میں ہے کہ انکو عنایتہائے حق نے برگزیدہ فرمایا ہے۔

معجزاتش بے شمار و بے عدد　　موج بخشایش مدد اندر مدد

یعنی اُنکے معجزے بیشمار اور بے عدد ہیں اور اُنکی بخشش کی موج زیادتی اندر زیادتی ہے۔

ہیچکس را خود ز آدم تا کنون　　کے بدست آواز ہمچون ارغنون

یعنی آدم علیہ السلام سے اسوقت تک کسی شخص کے لئے ایسی ارغنون کیطرح آواز کب ہوتی ہے ارغنون ایک باجہ کا نام ہے مطلب یہ کہ ایسی نفیس آواز اور کس کو میسر ہے۔

کہ بہر وعظے ہمیراند دو بیست　　آدمے را صوت خوبش کرد نیست

یعنی کہ ہر وعظ میں دوسو کو مار دیتے ہیں اُنکی آواز خوب نے آدمیوں کو نیست کر دیا ہے۔

شیر و آہو جمع گردد آنزمان　　سوئے تذکیرش مغفل این ازان

یعنی اُسوقت شیر اور ہرن اُنکے وعظ کی طرف جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے غافل ہوتا ہے یعنی آپس میں کوئی کسیکو گزند نہیں پہونچا سکتا اسلئے کہ اُنکی آواز کو سنکر سب مست ہوجاتے ہیں۔

کوہ و مرغان ہم رسائل با دمش　　ہر دو اندر وقت دعوت محرمش

یعنی پہاڑ اور جانور اُنکی آواز کے ساتھ ہم آواز ہیں اور دونوں بلانے کے وقت انکے محرم ہیں

این دو صد چندان حراو را معجزات　　نور رویش بے جہات و در جہات

یعنی اس سے دوسو چند اُنکے معجزات ہیں اور نور رُخ اُنکا بے جہت تمام عالم میں ہے۔

با ہمہ تمکین خدا ار روئے او　　کردہ باشد بستہ اندر جستجو

یعنی باوجود اس عزت کے حق تعالےٰ نے اُنکی روزی کو جستجو میں ہی باندھ دیا ہے۔

بے زرہ بافی و رنج روزیش ۔ مے نیاید با ہمہ فیروزیش

یعنی بے زرہ بافی کے اور رنج روزی اُنکی نہیں آتی ہے باوجود اس بزرگی انکی کے (جب یہ حالت ہے تو پھر)

اینچنین مخذول واپس ماندۂ ۔ خانہ کندہ دون و گردون راندۂ

یعنی ایسا ذلیل اور واپس ماندہ اور خانہ خراب اور کمینہ اور گردوں کا نکالا ہوا۔

اینچنین مدبر ہمے خواہد کہ او ۔ گنج یابد تا رود پایش فرو

یعنی یہ ایسا بدبخت چاہتا ہے کہ وہ اتنا خزانہ پاوے کہ اُسکا پاؤں اُس میں دھنس جاوے

ز احمقی خواہد کہ بے رنجش زود ۔ بے تجارت پر کند دامن ز سود

یعنی احمقی کی وجہ سے چاہتا ہے کہ بلا کسی تکلیف کے جلدی سے بلے تجارت کے دامن نفع سے بھرلے

اینچنین گیجے نیامد در جہان ۔ کہ برآید بر فلک بے نردبان

یعنی ایسا کوئی احمق دنیا میں نہیں آیا کہ آسمان پر بے زینہ کے چڑھتا ہے۔

این ہمی گفتش بہ تسخر نک بگیر ۔ کہ رسیدت روزی و آمد بشیر

یعنی کوئی اُس سے مسخرہ پن سے یہ کہتا کہ لے تیری روزی پہونچ گئی اور خوشخبری دینے والا آگیا۔

وان ہمی خندید ما را ہم بدہ ۔ زانچہ یابے ہدیۂ سالار دہ

یعنی اور وہ دوسرا ہنستا کہ چودہری جی جو ہدیہ تم پاؤگے ہمیں بھی دینا۔

اوازین تشنیع مردم وین فسوس　　　کم نمے کرد از دعا و چاپلوس

یعنی وہ لوگوں کے تشنیع سے اور مسخرہ پن سے دعا اور تضرع کم نہ کرتا تھا۔

تا کہ شد در شہر معروف و شہیر　　　کو ز انبان تہی جوید پنیر

یعنی یہانتک کہ وہ شہر مین معروف و مشہور ہو گیا کہ وہ خالی تھیلی میں سے پنیر کو تلاش کرتا ہے یعنی بے کمائے ہوئے صرف دعا سے مال و دولت چاہتا ہے۔

شد مثل در خام طمعے آن گدا　　　او ازین خواہش نمے آید جدا

یعنی وہ گدا خام طمعی میں ضرب المثل ہو گیا مگر وہ اس خواہش سے جدا نہ ہوتا تھا۔

کم نمی کرد از دعا و ابتہال　　　کر اجابت مستعان ذوالجلال

یعنی اُس نے دعا اور تضرع میں کمی نہ کی تو مستعان ذوالجلال نے (اسکی دعا) قبول فرمالی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر گران و گر شتابندہ بود　　　عاقبت جوئندہ یابندہ بود

یعنی خواہ سست ہو اور خواہ چالاک ہو آخرکار طالب پانے والا ہوتا ہے مطلب یہ کہ طالب ہونا چاہیئے چاہے طلب کم ہو یا زیادہ مقصود ہر صورت مین حاصل ہو ہی جاتا ہے اب آگے ذرا سنئے کہ اس شخص کی دعا کیس لطف کے ساتھ قبول ہوئی ہے۔

اُس الحاح سے دُعا کرنے والے کے گھر میں ایک گائے کا گھُس آنا اور فرمایا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ حق تعالے دُعا میں الحاح کرنیوالونکو دوست رکھتا ہے اسلئے کہ الحاح عین مرضی حق ہی اور دُعا کرنیوالے کیلئے اُس دُعا سے جو کہ وہ کررہا ہے الحاح بہتر ہے

یہ مضمون اس سُرخی کا حدیث مین موجود ہے اور چونکہ اُس شخص نے دُعا الحاح سے کی تھی اسلئے اس مناسبت سے مولانا نے اس حدیث کو سُرخی میں بیان فرمادیا ہے آگے قصہ فرماتے ہیں کہ

تاکہ روزے ناگہان وقت چاشتگاہ　　این دُعا میکرد با زاری وآہ

یعنی یہانتک ایک روز چاشت کے وقت وہ زاری وآہ کے ساتھ دعا کر رہا تھا۔

ناگہان درخانہ اش گاوی دوید　　شاخ زد بشکست دربند و کلید

یعنی ناگاہ اُسکے گھر میں ایک گائے گھسی۔ اور اُس نے سینگ مار کر کنڈی وغیرہ توڑ دی (مثل مشہور ہے کہ گر نستانی بستم میرسد۔ بس اسیطرح یہ گائے بھی کنڈی وغیرہ توڑ کر گھس آئی۔ کہ گر نستانی بستم میرسد)

گاو گستاخ اندران خانہ بجست　　مرد برجست و قوائمہاش بست

یعنی گائے گستاخانہ گھر میں گھس آئی تو وہ آدمی رمعہ گھر والون کے) اُٹھا اور اُسکے پاؤں باندھ لیے۔

پس گلوئے گاو ببرید آن زمان　　بے توقف بے تامل بے امان

یعنی پھر اُسنے اُسیوقت گائے کا گلا کاٹ دیا بلا کسی توقف وتامل کے اور بے امان کے۔

چون سرش ببرید شد سوئے قصاب　　تا ہا بش برکند در دم شتاب

یعنی جب اُسکا سر کاٹ لیا تو قصاب کی طرف چلا تاکہ فوراً جلدی سے اُسکی کھال نکالدے۔ آگے مولانا اس مضمون سے انتقال دوسری طرف فرماتے ہیں چونکہ اس شخص کے دل میں ایک تقاضا پیدا ہوا کہ بے مشقت کے اسیری ملجاوے تو اسکو حق تعالے نے اسکے لیے آسان فرمادیا۔ لہذا مولانا بھی آگے دعا فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ یا الٰہی جب آپ نے ہم کو احکام فرماتے ہیں جنکا کہ اندر سے تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ ان سارے احکام کی تعمیل ہوجاوے تو اچھا ہے تو یا تو اُس شخص کی طرح ہمارے لئے بھی اسکو سہل فرمادیجئے اور توفیق عمل کی دیجئے ورنہ پھر اُس تقاضے کو ہم پر سے اُٹھا دیجئے۔ اب سمجھ لو کہ فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

اے تقاضا گر دروں ہمچون جنیں　　چون تقاضا میکنی اتمام این

سہل کن گردان رہ نما توفیق دہ　　یا تقاضا را بہل بر ما منہ

چون ز مفلس زر تقاضا می کنی　　زر ببخشش در سرائے شاہ غنی

بے تو نظم و قافیہ شام و سحر　　زہرہ کے دارد کہ آید در نظر

نظم و تجنیس و قوافی ای علیم　　بندۂ امر توا ند از ترس و بیم

چون مسبح کردۂ ہر چیز را　　ذات بے تمیز و با تمییز را

هر یکے تسبیح بر نوع دگر — گوید و از حال آن این بیخبر

آدمے منکر ز تسبیح جماد — وان جماد اندر عبادت اوستاد

بلکه هفتاد و دو ملت هر یکے — بیخبر از یک دگر اندر شکے

چون دو ناطق را ز حال همدگر — نیست آگه چون بود دیوار و در

چون من از تسبیح ناطق غافلم — چون بداند سبحهٔ صامت دلم

هست سنی را یکے تسبیح خاص — هست جبری را ضد آن در مناص

سنی از تسبیح جبری بے خبر — جبری از تسبیح سنی بے اثر

این همی گوید که آن ضالست و گم — بے خبر از حال او وز امر قم

وان همی گوید که این را چه خبر — جنگ شان افگند یزدان از قدر

گوهر هر یک هویدا مے کند — جنس از ناجنس پیدا میکند

قهر را از لطف داند هر کسے — خواه نادان خواه دانا یا خسے

لیک لطفے قہر در پنہان شدہ
یا کہ قہرے در دل لطف آمدہ

کم کسے داند مگر ربانئے
کش بود در دل محک جانئے

باقیان زین دو گمانے میبرند
سوئے لانہ خود بیک پر می پرند

علم را دو پر گمان را یک پرست
ناقص آمد ظن بہ پرواز ابترست

مرغ یک پر زود افتد سرنگون
باز بر پرد دو گامے یا فزون

می فتد می خیزد آن مرغ گمان
با یکے پر بر امید آشیان

چون ز ظن وارست علمش رو نمود
شد دو پر آن مرغ و پرہا واکشود

بعد ازان یمشے سویا مستقیم
نے علے وجہہ مکبا او سقیم

با دو پر بر مے پرد چون جبرئیل
بیگمان بے فکرت و بے قال و قیل

گر ہمہ عالم بگویندش توئے
بر رہ یزدان و دین مستوی

او نگردد گرم تر از گفتشان
جان طاق او نگردد جفت شان

ور ہمہ گویند اورا گمرہی — کوہ پنداری و تو برگ کہی

او نیفتد در گمان از طعن شان — او نگردد دردمند از طعن شان

بلکہ گر دریا و کوہ آید بگفت — گویدش با گمرہی یاری جفت

ہیچ یک ذرہ نیفتد در خیال — یا بطعن طاعنان رنجور حال

مطمئن و موقن و بے احتیال — کاینچنین باشد مگر در کل حال

قبل اسکے کہ ہم حل ابیات میں مصروف ہون ایک ضروری بات تبلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہی تاکہ حل اشعار میں مدد دے وہ یہ کہ اصولیین نے کہا ہے کہ سبب وجوب کے موجود ہونے پر خطاب تقدیری بندونکی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بندوں سے مامور بہ کے تفویض و تسلیم کا مطالبہ ہوتا ہے اسکو پیش نظر رکھکر اور اُسکے منشاء پر غور کرکے اگر یوں کہا جاوے کہ یہ حکم واجبات مخصوصہ ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ تمام تکالیف کی یہی حالت ہے خواہ مامور بہ ہوں یا منہی عنہ واجب ہون یا مسنون یا مندوب حرام ہون یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور اُن میں علاوہ قواعد عامہ کے ہر مکلف کے لئے ہر ضرورت کے وقت افعل یا لاتفعل کا خطاب متوجہ ہوتا ہے تو کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا۔ یہی وہ تقاضا ہے جو جنین کی طرح مستور اور مخفی ہے جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سنو کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اسے جنین کی طرح مخفی تقاضا کرنے والے جب آپ ہم سے اپنے امر مطلوب کی تکمیل کا مطالبہ فرماتے ہیں تو اسکو ہمارے لئے آسان بھی کر دیجئے اور ہم کو اسکی طرف ہدایت بھی فرمایئے اور اُسکے اختیار کی توفیق بھی عطا فرمایئے اور اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو براہ لطف و کرم اسکا ہم سے مطالبہ بھی نہ فرمایئے کہ ہم بدون آپکی امداد کے آپکے احکام کی بجا آوری

سے قاصر ہیں اور جب ہم مفلسون (یعنی بدون آپکی توفیق و امداد کے بجا آوری احکام سے قاصرین) سے زر (بجا آوری احکام) کا مطالبہ کرتے ہیں تو چپکے سے ہم کو وہ زر (استطاعت بجا آوری) عطا بھی فرما دیجئے آپ غنی اور قادر و فاعل مختار ہیں۔ آپ کے لئے کچھ دشوار نہیں انتظام وتتابع شام وسحر کب طاقت رکھتا ہے کہ بدون آپ کے نظر آسکے کیونکہ ہر نظم وقافیہ اور تجنیس خواہ اُسکا تعلق شام وسحر سے ہو یا اور چیزدن سے بوجہ خوف کے آپکے مطیع حکم ہے (فائدہ نظم وقافیہ وتجنیس سے مراد اس جگہ مطلق انتظام واتساق وتتابع ومجانست ومناسبت ہے نہ کہ خاص اصطلاح عروض وبدیع فافہم) آپ نے کس عجیب طریقہ سے ہر چیز اور تمام ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کو اپنی عبادت کرنیوالا بنایا ہے کہ ہر ایک نئے طریقہ سے آپکی عبادت کرتا ہے خواہ وہ عبادت آپکی مرضی کے موافق ہو خواہ خلاف اور خواہ مقصوداً ہو یا لزوماً اور لطف یہ کہ ایک کی ایک کو خبر نہیں۔ کبھی تو نفس عبادت ہی کی اطلاع نہیں ہوتی اور کبھی نفس عبادت کو جانتا ہے مگر وہ اسکے عبادت الہی ہونے سے واقف نہیں ہوتا۔ چنانچہ انسان عبادت جمادات کا منکر ہے۔ حالانکہ وہ عبادت میں ماہر ہیں۔ نیز حیوانات اور کفار کا بھی یہی حال ہے سب سے بڑھکر یہ کہ فرقہائے اسلامیہ باطلہ جو تعداد میں بہتر ہیں انکی بھی یہی حالت ہے کہ ہر ایک کی جُدا گانہ عبادت ہے اور ایک کی دوسرے کو خبر نہیں۔ اس سے ہمارے اس قول کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب آپکی پرستش کرتے ہیں مگر ایک کی دوسرے کو خبر نہیں کیونکہ جب ذوی العقول کی یہ حالت ہے تو غیر ذوی العقول کی کیا حالت ہوگی ضرور یہی ہوگا کہ ان میں بھی ایک کی دوسرے کو خبر نہ ہوگی نیز ان لوگون کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو تسبیح جمادات کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کو ذوی العقول کی عبادت کا بھی علم نہیں تو غیر ذوی العقول کی تسبیح کا انکو کیا احساس ہو سکتا ہے خیر یہ تو استطرادی گفتگو تھی اب سنو کہ اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہے کہ اہل حق کی عبادت ایک خاص طریق پر ہے اور جبری کی انکے خلاف دوسرے طریق پر اور عام طور پر اہل حق کو جبری کی عبادت یعنی اسکی عبادت ہونے کی جہت کی خبر نہیں اور جبری کو اہل حق کی طاعت یعنی اسکی طاعت ہونے کی جہت سے آگاہی نہیں۔ اہل حق جبری کو گمراہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حقیقت حال سے واقف

نہیں اور امر فمن فانذر وغیرہ کی دلالت علی الاختیار کو نہیں سمجھتے۔ اور جبری کہتا ہے کہ اہل سنت
کیا جانیں اب سنو کہ حق سبحانہ نے ان میں آپس میں لڑائی کرا رکھی ہے اور اس سے مقصود
یہ ہے کہ ہر ایک کی استعداد کا مرتبہ ظاہر ہو جاوے اور اہل اور نا اہل اور ضال اور مہتدی
میں امتیاز ہو جاوے لیکن یہ امتیاز ہر ایک کا کام نہیں کیونکہ غصہ اور مہربانی میں تو ہر شخص
خواہ دانا ہو یا نادان یا بالکل ہی گیا گذرا ہوا امتیاز کر سکتا ہے لیکن وقت یہ ہے کہ بعض کا
مرحوم اور بعض کا مغضوب ہونا بالکل صاف نہیں بلکہ لطف میں قہر کی آمیزش ہے اور قہر میں
لطف کی اور جو لطف قہر میں مستور ہو یا جو قہر لطف قہر میں مخفی ہو اوسکو لوگ بہت کم سمجھتے ہیں
الا اہل اللہ جنکے دل میں ایک کسوٹی رکھی ہوئی ہے کہ وہ اوس سے مجرم کو معلوم کر لیتے ہیں یہ مضمون
بھی استطرادی تھا۔ اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ اہل حق اور جبری کے
علاوہ اور فرقے جو ہیں وہ ایک اور ہی گمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اہل حق ہیں باقی سب
گمراہ۔ یہ لوگ اپنے گھونسلے کی طرف ایک پر سے اڑتے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ علم و یقین کے
تو دو پر ہیں۔ یعنی صاحب علم تو اوس جانور کے مشابہ ہے جو دو پر رکھتا ہو اور اچھی طرح اڑ سکتا ہو۔
اسکے برخلاف صاحب ظن اسقدر پرواز نہیں رکھتا بلکہ اس سے گھٹیا اور خستہ حال ہے اور
اوس جانور سے مشابہت رکھتا ہے جو ایک پر رکھتا ہو اور ایک پر والے جانور کا قاعدہ
ہوتا ہے کہ وہ جلدی اوندھے منہ گر جاتا ہے پھر دو چار قدم اڑتا ہے پھر گر جاتا ہے اور
آشیانہ تک نہیں پہونچ سکتا یہی حالت صاحب گمان کی ہے کہ وہ بھی باوجود اپنے نقصان
کے بار بار حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے مگر ہر مرتبہ ناکام رہتا ہے اور جبکہ وہ ظن
سے چھوٹ جاتا ہے اور علم و یقین حاصل کر لیتا ہے تو دو پروں والے جانور کی مثل ہوتا
ہے اور پروں کو کھولکر سیدھا اڑتا اور حقیقت تک پہونچتا ہے اور صاحب ظن کی طرح
اوندھے منہ نہیں گرتا اور نہ اوسکی طرح کمزور ہوتا ہے ایسا شخص دو پروں سے جبرئیل کیطرح
اڑتا ہے نہ وہ مبتلائے ظن ہوتا ہے نہ اوسے غور و خوض کی ضرورت ہوتی ہے نہ وہ سوال و
جواب کا محتاج ہوتا ہے اوسکی طمانیت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر تمام عالم ملکر اوس سے
یہ کہے کہ راہ حق میں تو ہی ٹھیک چلنے والا ہے اور تیرا ہی دین ٹھیک ہے تو اس سے اوسکی

جد وجہد میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور اوسکی یکتا روح اُن سے میل نہیں کھا سکتی یعنی اب بھی وہ ان سے اور انکی تائید سے یوں ہی مستغنی ہوتا ہے جیسے پہلے تھا اور اگر سب ملکر اوسے گمراہ کہیں اور یہ کہیں کہ تو اپنے کو پہاڑ سمجہتا ہے مگر فی الحقیقت ایک تنکا ہے تو وہ اون کے اس طعن سے گمان باطل میں مبتلا نہ ہوگا اور اونکی اس نیزہ زنی کا اوسکو کچہ بھی احساس نہ ہوگا بلکہ اگر دریا اور پہاڑ بھی بول اُٹھیں اور کہیں کہ تو قرین ضلالت اور گمراہ ہے تو وہ بالکل بھی تو شبہ میں نہ پڑے گا بلکہ وہ اوسی طرح صاحب یقین اور مطمئن رہے گا اور اسے ہرگز یہ خیال نہ ہوگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے کیونکہ اوسکی حالت ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور کبھی بھی اسے کھٹکا نہیں ہوتا۔ جو لوگ صاحب یقین نہین ہیں اونکی وہی حالت ہے جو ایک معلم کی تھی جسکا قصہ حسب ذیل ہے۔

اے تقاضا گر درون ہمچون جنین ــہ چون تقاضا مے کنے اتمام این

یعنی اسے باطن میں جنین کی طرح تقاضا کرنے والے جب تقاضا فرماتے ہیں تو اسکو پورا کر دیجئے

سہل گردان رہ نما توفیق دہ ــہ یا تقاضا را بہل بر ما منہ

یعنی سہل فرمایئے اور راہ دکہلایئے اور توفیق دیجئے یا تقاضے کو چھوڑ دیتے اور ہم پر مت رکھیئے اب یہان ایک بات یہ بھی سمجہ لو کہ مصرعہ "یا تقاضا را بہل بر ما منہ" حالت ادلال و ناز کی ہے۔ مولانا پر اسوقت حالت ناز غالب ہے اسلئے وہ ایسی بات فرما رہے ہیں باقی یاد رکھو کہ اور کسیکو ایسی بات کہنا یا اس مصرعہ کو بطور دعا کے پڑہنا حرام و ناجائز ہے اسلئے کہ ہر ایک کی تو یہ حالت نہیں ہے ہان جسکو حاصل ہو جاوے اسوقت چاہے اس سے بھی تیز کہدے مگر اس سے پہلے کہنا بالکل حرام ہے آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

## چون ز مفلس زر تقاضا میکنی	زر بہ بخشش در سرای شاہ غنی

یعنی جب آپ کسی مفلس سے روپیہ کا تقاضا کریں تو اے شاہ غنی اوسکو پوشیدگی میں روپیہ دیجئے مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص مفلس کنگال سے روپیہ طلب کرے اور یہ طالب رحیم کریم مہربان ہو تو وہ یہ کریگا کہ سب کے سامنے تو اس سے طلب کرے گا تاکہ قاعدہ میں گڑبڑ نہ پڑے اور لوگ اس شخص کو مستثنیٰ نہ سمجھ جاوین مگر الگ بلا کر چپکے سے اسکو روپیہ دیدیگا کہ دیکھو ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے لہذا تم اپنی طرف سے یہ روپیہ پیش کر دینا تو فرماتے ہیں کہ یا الٰہی اسیطرح ہم ضعیف اور کمزور ہیں ہم میں تعمیل احکام کی قدرت نہیں ہے لہذا جب آپ نے حکم فرمایا ہے جوکہ لا تقاضا ہوتا ہے تو اسکے لئے ہمارے اندر قوت بھی پیدا فرمایئے تاکہ اوسکی تعمیل آسانی سے کرسکیں آپکی بڑی قدرت ہے آپ سب کچھ کرسکتے ہیں آگے حق تعالے کی قدرت کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

## بے تو نظم و قافیہ شام و سحر	زہرہ کے دارد کہ آید در نظر

یعنی بے آپ (کی مدد) کے شام و سحر میں قافیہ اور نظم کی کیا مجال ہے کہ وہ وقوع میں آسکے مطلب یہ کہ ہم جو کچھ نظم و قوافی کو جمع کرتے ہیں یہ سب آپکی دین ہے ورنہ بے آپکی قدرت اور بے آپکی دین کے کب کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔ اسلئے کہ۔

## نظم و تجنیس و قوافی ای علیم	بندۂ امر تو اند از ترس و بیم

یعنی نظم اور تجنیس اور قوافی لے علیم سب آپکے حکم کے بندہ ہیں ترس و بیم کی وجہ سے مطلب یہ جسطرح کہ کوئی کسیکا بندہ ترس و بیم کی وجہ سے ہوتا ہے اسیطرح یہ قوافی وغیرہ سب آپکے حکم کے تابع ہیں لہذا جب آپ کا حکم ہوتا ہے یہ قلب پر وارد ہوجاتے ہیں ورنہ نہیں آتے لہذا معلوم ہوا کہ جسقدر افعال اور احوال ہیں سب آپکے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ بے آپکے کچھ ہو ہی نہیں سکتا آگے قدرت علی الاقوال کو بیان فرماتے ہیں کہ

چون مسبح کردهٔ ہر چیز را ذات بے تمیز و باتمیز را

یعنی جب آپ نے ہر شئے کو مسبح بنایا ہے ذات بے تمیز کو اور باتمیز کو (بے تمیز سے مراد بے شعور اور باتمیز سے باشعور) مطلب یہ کہ جب آپ نے ذی شعور اور غیر ذی شعور سب کو مسبح کر دیا ہے تو۔

ہر یکے تسبیح بر نوع دگر گوید و از حال آن این بیخبر

یعنی ہر ایک ایک دوسری قسم پر تسبیح کہتا ہے اور وہ اسکے حال سے بے خبر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ بس آپ نے کام میں لگا دیا ہے سب کام میں لگے ہوئے ہیں کسی کو دوسرے کی خبر نہیں ہے بس جسطرح کہ آپ نے تکوینیات میں سب کو کام میں لگا رکھا ہے اور اُن پر ان کاموں کو سہل فرما رکھا ہے اسیطرح آپ ان تشریعیات کو بھی ہم پر سہل فرما دیجئے۔ آگے ایک کا دوسرے کی حالت سے بیخبر ہونے کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آدمی منکر ز تسبیح جماد وان جماد اندر عبادت اوستاد

یعنی آدمی جماد کی تسبیح سے منکر ہے اور وہ جماد عبادت میں اُستاد ہے تو دیکھ لو کہ ایک کو دوسرے کی حالت کی خبر نہیں ہے آگے اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ ہفتاد و دو ملت ہر یکے بیخبر از یکدگر اندر شکے

یعنی بلکہ ہفتاد و دو ملت ہر ایک ایک دوسرے سے بیخبر ہیں اور شک میں ہیں۔

چون دو ناطق را ز حال ہمدگر نیست آگہ چون بود دیوار و در

یعنی جبکہ دو ناطق ایک دوسرے کی حالت پر آگاہ نہیں ہیں تو دیوار و در توکسطرح ہوں گے اوپر کے شعر میں ہفتاد و دو ملت فرمایا ہے حالانکہ اصل میں ہفتاد و سہ ملت ہیں ایک ملت حقہ باقی باطلہ مگر یہاں مولانا کو صرف باطلین کا بیان مقصود ہے اسلیئے کہ شک میں اور بیخبری میں

ہیں۔ ورنہ اہل حق تو سب جانتے ہیں اور اُن کو تو بحمد اللہ سب چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ یہاں حالت کی بیخبری سے مراد منشاء حال کی بیخبری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان تمام ملل کو آپس کے اختلافات کے اصل مناشئے ہی معلوم نہیں ہیں۔ اور وہ سب اس سے بیخبر ہو رہے ہیں۔ صرف الفاظ میں لڑائی ہو رہی ہے اور اگر مناشئے معلوم ہو جاویں تو شاید اسقدر اختلاف بھی نہ رہے مگر منشا کی خبر نہیں ہوتی اور جو محقق ہیں وہ اختلاف کے منشاء کو معلوم کر کے اسکے بعد اوسمیں غور کرتے ہیں تو جب وہ ناطقوں کو جو کہ مدرک کلیات جزئیات کے ہیں آپس کے اختلاف کے منشاء کی خبر نہیں ہے تو بھلا اور دیوار و در کو تو آپس میں کیا تمیز ہو سکتی ہے۔

چون من از تسبیح ناطق غافلم ‌‌‌‌ چون بداند سبحۂ صامت دلم

یعنی جبکہ میں ناطق کی تسبیح سے غافل ہوں تو میرا قلب چُپ چیزوں کی تسبیح کو کس طرح جان لیگا من سے مراد انسان ہے اور تسبیح سے مراد حالت ہے۔ مطلب یہ کہ جب انسان ایک دوسرے کی حالت سے غافل ہے۔ حالانکہ آپس میں دونوں بولتے ہیں ایک کی حالت دوسرا معلوم کر سکتا ہے مگر پھر بھی خبر نہیں ہے تو بھلا وہ چیزیں جو کہ بول بھی نہیں سکتیں اونکی حالت کی تو کیا خبر ہو سکتی ہے۔

ہست سنی را یکے تسبیح خاص ‌‌‌‌ ہست جبری را ضد آن در مناص

یعنی سُنی کے لئے ایک تسبیح خاص ہے اور جبری کے لئے اوسکی ضد ہے چھٹکارہ میں۔

سُنی از تسبیح جبری بے خبر ‌‌‌‌ جبری از تسبیح سنی بے اثر

یعنی سُنی تو جبری کی تسبیح سے بیخبر ہے اور جبری سُنی کی تسبیح سے بے اثر ہے تسبیح سے مراد حالت کا منشا۔ مطلب یہ کہ ایک کو دوسرے کی حالت اور اُسکے خیالات کے مناشئے کی مطلق خبر نہیں ہے ورنہ اگر مناشئے کی خبر ہو جاوے تو اسقدر اختلاف نہ رہے اسلئے کہ جسقدر مذاہب باطلہ ہیں مناشئے اُن سب کے بالکل ٹھیک ہیں اسلئے کہ مثلاً کوئی شخص اول تنزیہ کا قائل ہوا

اوس نے جو حق تعالےٰ سے اشیاء کی نفی شروع کی تو بعض اُن چیزون کی بھی نفی کر دی جو اس قابل نہ تھیں علی ہذا اور نہیں تو اگران مناشے کی خبر ہو جاوے تو یقیناً یہ کرین کہ جو اصل ہے اوسکو باقی رکھا جاوے اور جو اُسمیں زیادتی ہوگئی ہے اوسکی نفی کیجاوے مگر آجکل تو یہ ہو رہا ہے کہ جڑ سے ہی نفی کرتے ہیں تو یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ مناشے سے بیخبر ہیں۔

این ہمی گوید کہ آن ضال است وگم — بے خبر از حال او وز امر قم

یعنی یہ (جبری) تو کہتا ہے کہ وہ (سنی) گمراہ ہے (اور یہ جبری) اوس (سُنی) کے حال سے بیخبر ہے اور امر قم سے۔ مطلب یہ کہ جبری جو افعال عبد کو غیر اختیاری من کل الوجوہ بتا کر سنی کو گمراہ بتا رہا ہے اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ اُسکے منشاء سے بیخبر ہے اور اُسکو اسکی خبر نہیں ہے کہ قرآن شریف میں موجود ہے کہ یا ایہا المدثر قم فانذر تو جب حکم قیام اور پھر حکم انذار ہے تو معلوم ہوا کہ افعال عبد اختیار میں ہیں ورنہ پھر اس حکم کے کچھ معنی نہیں ہیں تو دیکھو اگر وہ سُنی کے قول کے منشاء سے باخبر ہوتا تو یقیناً وہ اسقدر سخت مخالف نہ ہوتا۔

وان ہمی گوید کہ این را چہ خبر — جنگ شان افگند یزدان از قدر

یعنی وہ (سُنی) کہتا ہے کہ اس (جبری) کو کیا خبر تو ان کا جنگ حق تعالےٰ نے قدر سے اتارا ہے مطلب یہ کہ سُنی جبری کو من کل الوجوہ گمراہ بتا رہا ہے حالانکہ اصل میں اسکے قول کا منشاء اثبات قدرت حق ہے اب اُسکے اثبات میں جو افراط و تفریط ہوئی تو اوسمیں وہ اختیار عبد کی بھی نفی کر بیٹھا کہ عبد کو کسی درجہ میں اختیار ہے ہی نہیں حالانکہ یہ امر من کل الوجوہ غلط تھا مگر جو سنی کو اسکی خبر ہوتی تو یقیناً وہ اسکے گمراہ سمجھنے میں اسقدر سخت نہ ہوتا بلکہ جو اصل تھا اسکو قائم رکھکر باقی زوائد کی نفی کر دیتا اور یہاں سُنی سے مراد عوام سنی ہیں سُنی محض مراد نہیں ہے اس لئے کہ محققین تو ہمیشہ مناشے پر نظر کر کے بالکل مطابق اصل کے دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتے ہیں ہاں جو عوام ہیں وہی ایک طرف کو بڑھ جاتے ہیں اور جبری میں عوام و خواص کی تفریق نہیں ہے۔ اسلئے کہ وہ اہل باطل ہیں تو سب عوام ہی ہیں اون میں محققین کدہر سے

ہوئے تھے۔ غرضیکہ ایک دوسرے کے مناشتے نہ معلوم ہونے سے سب کی آپس میں چل رہی ہے آگے اس جنگ فیما بین کی حکمت فرماتے ہیں کہ۔

گوہر ہر یک ہویدا مے کند　　جنس از ناجنس پیدا میکند

یعنی ہر ایک کا گوہر ظاہر فرماتے ہیں اور جنس کو ناجنس سے الگ فرماتے ہین تو اس اختلاف میں یہ برکت ہے کہ حق و باطل سب ممتاز ہوجاتا ہے آگے تقریب کیلئے ایک مثال فرماتے ہیں کہ

قہر را از لطف داند ہر کسے　　خواہ نادان خواہ دانا یا خسے

یعنی قہر کو لطف سے ہر شخص ممتاز کر کے جانتا ہے خواہ وہ نادان ہو یا دانا ہو یا کوئی کمینہ ہو مطلب یہ کہ جس طرح کہ قہر و لطف کو انسان ممتاز کر کے معلوم کرسکتا ہے اسیطرح جب حق و باطل واضح اور ظاہر ہوجاوے اسوقت تمیز کر لینا بہت آسان ہے۔

لیک لطفے قہر در پنہان شدہ　　یا کہ قہرے در دل لطف آمدہ

یعنی لیکن وہ لطف جو کہ قہر میں پوشیدہ ہو یا کہ وہ قہر جو لطف کے اندر آیا ہوا ہو۔

کم کسے داند مگر ربانئے　　کش بود در دل محک جانئے

یعنی (اوسکو) کوئی کم جانتا ہے مگر وہ اللہ والا کہ جو اسکو دل میں جان کیلئے کسوٹی ہو۔

باقیان زین دو گمانے مے برند　　سوئے لانہ خود بیک پر مے پرند

یعنی باقی لوگ اس سے دو گمان لیجاتے ہیں اور اپنے آشیانہ کی طرف ایک پر سے اڑتے ہیں مطلب یہ کہ اگر حق و باطل ممتاز ہو تب تو ہر شخص معلوم کرسکتا ہے مگر جو باطل بصورت حق ہو یا بالعکس تو اسوقت دونون کو ممتاز کرنا کارے دارد۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے یہ کام کسی کامل محقق کا ہے کہ جو کسوٹی کی طرح دونون کو پرکھ کر الگ الگ کر دے اور جو ان کے سوا

غیر محقق ہے وہ تو دونوں طرف ڈانواں ڈول ہوگا اور کسی طرف بھی پورا یقین نہ ہوگا اور اُس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ کوئی جانور اپنے گھونسلے میں ایک پر سے اُڑکر جانا چاہے تو وہ بہت کم دور تک اڑ سکتا ہے اور پھر گر جاویگا تو اسیطرح جو محقق نہیں ہے وہ استدلال سے کچھ کام لیگا آگے جاکر پھر ٹوٹ پھوٹ جاویگا اور جو محقق ہوگا اُسکو ایسا یقین واثق ہوگا کہ اسکو دوسری جانب کا کبھی خیال بھی نہ آوے گا۔ آگے اس مثال کو خود مولانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

بیان میں اسکے کہ علم کے دو پر ہیں اور گمان کے ایک پر ہی

علم را دو پر گمان را یک پر است   ناقص آمد ظن بہ پرواز ابتر است

یعنی علم کے لئے دو پر ہیں اور گمان کے ایک پر ہے تو گمان ناقص آیا اور پرواز میں ضعیف ہے۔ دو پر سے مراد قوت اور ایک پر سے مراد ضعف۔ مطلب یہ کہ علم اور یقین تو قوی ہوتا ہے اور اسکے استدلالات بھی قوی ہوتے ہیں اور گمان اور اسکے استدلالات ہمیشہ کمزور ہوا کرتے ہیں۔ آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

مُرغ یک پر زود افتد سرنگون   باز بر پرد دو گامے یا فزون

یعنی مُرغ یک پر جلدی سے اوندھے منہ گر پڑتا ہے اور پھر دو ایک قدم یا کچھ زیادہ اڑتا ہے (تو اسی طرح)

اُفت و خیزان میرود مرغ گمان   با یکے پر بر اُمید آشیان

یعنی گرتا پڑتا چلتا ہے مُرغ گمان ایک پر سے آشیان کی امید پر۔ مطلب یہ کہ مقصود تک کبھی رسائی نہیں ہوتی۔ استدلال سے کچھ پہونچتا ہے پھر گر جاتا ہے پھر پرواز کرتا ہے مگر پھر آشیان تک پہونچنا نصیب نہیں ہوتا۔

چون ز ظن وارست علمش رو نمود   شد دو پر آن مرغ و پرہا بر کشود

یعنی جب ظن سے چھوٹ گیا تو اوسکو علم نے منہ دکھایا اور وہ مرغ دو پر ہوگیا اور پرون کو کھول دیا۔

بعد ازان ممشی سویا مستقیم — نے علے وجہہ مکبًا او سقیم

یعنی اُسکے بعد وہ سیدہا اور مستقیم چلتا ہے نہ منہ کے بل اوندہا گرتا ہوا اور بیمار۔ مطلب یہ کہ جب بعد ظن کے علم حاصل ہو جاتا ہے اور تحقیق نصیب ہو جاتی ہے تو پھر تو مقصود تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے اور اوسکے راہ میں کوئی روکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

با دو پر برمی پرد چون جبرئیل — بیگمان بے فکرتے بے قال و قیل

یعنی دونوں پرون سے جبرئیل کی طرح بے گمان اور بے فکر اور بے قال وقیل کے اڑتا ہے۔ یعنی اوسکو اپنے مقصود میں کسی قسم کا وہم وگمان نہیں ہوتا بلکہ بے کسی شبہ کے وہ پہونچا ہوا ہوتا ہے اور اُس محقق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

گر ہمہ عالم بگویندش توئے — بر رہ یزدان و دین مستوی

یعنی اگر تمام عالم اُس سے کہے کہ تو راہ مستقیم پر اور دین مستوی پر ہے۔

او نگردد گرم تر از گفت شان — جان طاق او نگردد جفت شان

یعنی وہ اونکے اس کہنے سے گرم نہ ہوگا اور اوسکی جان طاق اونکی جفت نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر محقق کو ساری دُنیا غوث وقطب کہنے لگے تو اوسکو اس سے کوئی خاص مسرت نہ ہوگی اسلئے کہ اوسکی جو حالت ہے اوسکو خود معلوم ہے پھر اوسکو مسرت ہی کیا ہو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی کی جیب میں اشرفیان پڑی ہیں اور اوسکو خود بھی خبر ہے کہ میری جیب میں ہیں پھر کوئی اُس سے کہے کہ تمہاری جیب میں اشرفیان ہیں تو اوسکو اس سے کوئی خاص مسرت نہ ہوگی بلکہ کچھ فکر ہو جاویگا کہ اسکو خبر ہوگئی ہے ممکن ہے کہ چرا لے اسیطرح جب ان حضرات کو کوئی غوث وقطب

کہتا ہے تو چونکہ اونکو پہلے سے اپنی حالت معلوم ہوتی ہے التفات ہی نہیں ہوتا بلکہ اس اظہار سے فکر پڑجاتی ہے اسلئے کہ یہ حضرات تو اپنی حالت کا اظہار چاہتے ہی نہیں۔ لہذا جو محقق ہیں اونکو کسی کی تعریف کرنے سے کوئی خاص مسرت نہیں ہوتی اور نہ کسی کے برا کہنے سے رنج ہوتا ہے اسلئے کہ وہ جیسے ہیں ان کو خبر ہے۔ پھر دوسرے کے کہنے سے پھولنا حماقت ہے بس وہ حضرات ایک حالت پر رہتے ہیں اور اپنی حالت میں خود مگن ہوئے ہیں۔

ور ہمہ گویند اور اگمرہے　　کوہ پنداری و تو برگ کہے

یعنی اور اگر سب اسکو کہیں کہ تو گمراہ ہے اور اپنے کو پہاڑ سمجھتا ہے حالانکہ تو برگ کاہ ہے۔

او نیفتد در گمان از طعن شان　　او نگردد دردمند از طعن شان

یعنی وہ ان لوگون کی طعن سے شبہ مین نہ پڑیگا اور وہ ان کی نیزہ زنی سے دردمند نہ ہوگا مطلب یہ کہ اس محقق کو اگر ساری دنیا گمراہ اور بددین کہنے لگے تو اس سے اسکو اپنی حالت مین کسی قسم کا شبہ واقع نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی حالت کو خوب جانتا ہے بس وہ وہی سمجھے گا۔ آگے اور ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ گر دریا و کوہ آید بگفت　　گویدش با گمرہی ہستی تو جفت

یعنی بلکہ اگر دریا اور کوہ گفتگو میں آویں اور اس سے کہیں کہ تو گمراہی کا قرین ہوگیا۔

ہیچ یک ذرہ نیفتد در خیال　　یا بطعن طاعنان رنجور حال

یعنی وہ ایک ذرہ کی برابر بھی شبہ میں نہ پڑیگا۔ یا کہ طاعنون کے طعن سے رنجور حال ہو دیہ بھی نہ ہوگا بلکہ)

مطمئن و موقن و بے احتیال　　کاینچنین باشد مگر در کل حال

یعنی مطمئن اور موقن اور بے حیلہ کے ہوگا کہ وہ ایسا ہی شاید ہر حال میں ہوگا مطلب یہ کہ بھلا آدمی اگر کہیں اور اوسکو یقین نہ آوے تو عجب نہیں ہے بلکہ اگر خارق کے طور پر درخت زمین پہاڑ سب اُس سے کہیں کہ تو گمراہ ہے تو اوسکو ذرہ برابر پرواہ نہ ہوگی بلکہ اپنے کام میں لگا رہے گا اوسکو اپنی حالت کا اسقدر یقین ہے کہ کسی کے شبہ ڈالنے سے اوسکو شبہ ہوتا ہی نہیں اور جیسا کہ وہ اس معاملہ میں پختہ ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ شاید وہ تمام حالتوں میں ایسا ہی پختہ ہوتا ہوگا۔ آگے دوسروں کے کہنے سے غیر محقق کے شبہ میں پڑ جانے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

کودکان مکتبے از اوستاد
رنج دیدند از ملال و اجتہاد

مشورت کردند در تعویق کار
تا معلم در فتد در اضطرار

چون نمی آید ورا رنجورئے
کہ بگیرد چند روز او دوئے

تا رہیم از حبس و از تنگی کار
ہست او چون کوہ خارا برقرار

آں یکے زیرک ترایں تدبیر کرد
کہ بگوید اوستا چونے تو زرد

خیر باشد رنگ تو برجائی نیست
ایں اثر یا از ہوا یا از تپے ست

اندکے اندر خیال افتد ازیں
تو برادر ہم مدد کن اینچنین

چون ورائے از در مکتب بگو — خیر باشد اوستا احوال تو

آن خیالش اندکے افزون شود — کز خیالے عاقلے مجنون شود

آن سوم و چارم و پنجم چنین — در پے ما غم نمایند و چنین

تا چو سی کودک تواتر این خبر — متفق گویند یابد مستقر

ہر کے گفتش کہ شاباش اے زکی — باد بختت بر عنایت متکے

متفق گشتند در عہد وثیق — کہ نگرداند سخن را یک رفیق

بعد ازان سوگند داد او جملہ را — تا کہ غمازے نگوید ما جرا

رائے آن کودک بچربید از ہمہ — عقل او در پیش میرفت از رمہ

ایک مکتب کے لڑکے اُستاد کے ہاتھ سے پریشان اور مبتلائے زحمت تھے انھون نے چھٹی لینے کے لئے یہ مشورہ کیا کہ اُستاد کسی مجبوری میں مبتلا ہو جاوے۔ کیونکہ اسکے بغیر تعطیل نہیں ہو سکتی تھی وہ خیال کرتے تھے کہ اسکو کوئی ایسا مرض کیون لاحق نہیں ہو جاتا جسکے سبب وہ چند روز کیلئے ہم سے دوری اختیار کرے تاکہ ہم اس قید اور تکلیف سے چھوٹ جائیں یہ تو سخت پہاڑ کی طرح جنبش بھی نہیں کرتا۔ غرض انکی خواہش تھی کہ وہ بیمار ہو جاوے۔ اسکے لئے ایک نہایت سمجھدار لڑکے نے یہ تدبیر کی کہ میں استاد سے یہ کہوں گا کہ آپ کا رنگ زرد کیوں ہے خیر تو ہے آپ کی

رنگت اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے یا تو آب و ہوا اور موسم کا کچھ اثر ہے یا آپکے اندر اثر بخار ہے۔ اس سے اسکے خیال میں کچھ تغیر ضرور ہوگا۔ خواہ وہ احتمال ہی کے درجہ میں ہو۔ پھر دوسرے لڑکے سے کہا کہ بھائی تم بھی میری اسیطرح تائید کرنا جب تم مکتب کے دروازے سے آؤ تو آتے ہی یہ کہنا کہ جناب آج مزاج کی کیا کیفیت ہے اس سے اُسکے اُس خیال کو اور ترقی ہوگی کیونکہ خیال بہت بُری چیز ہے یہ تو اتنی ترقی کرتا ہے کہ آدمی مجنون ہو جاتا ہے اور ہمارے بعد تیسرا اور چوتھا اور پانچواں لڑکا بھی یونہی غم ظاہر کرے اور رونی صورت بنائے تاکہ جب تیس لڑکے پے درپے اس خبر کو متفق ہو کر بیان کریں تو وہ خیال خوب جم جاوے یہ تدبیر سُنکر ہر ایک نے اسے داد دی اور کہا کہ واہ رے ذہین شاباش خوب بات نکالی۔ تیرا نصیب ہمیشہ عنایت خداوندی پر سہارا کئے ہوئے اور عنایت الٰہی ہمیشہ تیرے شامل حال رہے۔ غرض وہ سب متفق ہوگئے اور اسکا پختہ عہد ہو گیا کہ کوئی دوست اپنے عہد سے نہ پھرے گا اسکے بعد مزید اطمینان کے لئے اُس نے سب سے اسکی قسمیں لیں کہ کوئی شخص اس واقعہ کی مخبری نہ کرے گا۔ دیکھو اس لڑکے کی عقل سب پر غالب آگئی اور اسکی عقل سب کی پیش رو ہو گئی اسکے متعلق ضمناً ہم ایک مفید بات تبلاتے ہیں اس کے بعد تانی قصہ کی طرف متوجہ ہونگے۔

مثال آدمی کے لوگونکی تعظیم اور رغبت کے شبہ سے بیمار ہو جانیکی اور ایک لڑکونکے معلّم کی حکایت

کودکان مکتبے از اوستاد　　رنج دیدند از ملال و اجتہاد

یعنی ایک مکتب کے لڑکون نے استاد کے غصہ اور محنت کی وجہ سے رنج دیکھا تھا مطلب یہ کہ ایک معلم لڑکون سے محنت بہت لیتا تھا اور غصہ ور زیادہ تھا تو مکتب کے لڑکے تنگ ہو گئے تھے۔

مشورت کردند در تعویق کار　　تا معلم در فتد در اضطرار

یعنی سب نے (معلم کے) کام کو تعویق میں ڈالنے کا (یعنی چھٹی لینے کا) مشورہ کیا تاکہ معلم اضطرار میں پڑجاوے۔ یعنی سب نے کہا کہ کوئی ایسا کام کرو کہ جس سے یہ اضطرار مین پڑے اور ہمیں چھٹی دیدے اور بولے کہ۔

چون نمی آید ورا رنجوریے　　کہ بگیرد چند روز او دورئے

یعنی اُسکو کوئی بیماری کیون نہیں آتی کہ وہ چند روز کیلئے دوری اختیار کرے۔

تا رہیم از حبس و از تنگے کار　　ہست او چون سنگ خارا برقرار

یعنی تاکہ ہم حبس اور تنگی کار سے چھوٹ جاویں کہ وہ تو سخت پتھر کی طرح برقرار ہے یعنی بولے کہ کمبخت سخت پتھر ہے کہ کبھی بیمار بھی نہیں ہوتا۔

آن یکے زیرک ترا این تدبیر کرد　　کہ بگوید اوستا چونے تو زرد

یعنی اُس ایک عقلمند لڑکے نے یہ تدبیر کی کہ وہ کہے گا کہ استاد جی آپ زرد رو کیسے ہو رہے ہیں۔

خیر باشد رنگ تو برجائے نیست　　این اثر یا از ہوا یا از تپے است

یعنی خیر تو ہے آپ کا رنگ برجا نہیں ہے یہ یا تو ہوا کا اثر ہے یا بخار کا اثر ہے۔

اندکے اندر خیال افتد ازین　　تو برادر ہم مدد کن این چنین

یعنی وہ اس (کہنے) سے تھوڑا سا خیال مین پڑیگا۔ تو بھائی ذرا تم بھی اسیطرح مدد کرنا یعنی وہ لڑکا

بولا کہ جب میں اسطرح اسکا مزاج پوچھوں تو پھر آکر تم بھی یہی پوچھنا۔

چون درائی از در مکتب بگو　　خیر باشد اوستا احوال تو

یعنی جب تو مکتب کے دروازے سے آوے تو کہنا کہ اُستاد جی خیر ہے آپ کا حال (کیسا ہے)

آن خیالش اندکے افزون شود　　کز خیالے عاقلے مجنون شود

یعنی اُسکا وہ خیال کچھ زیادہ ہوگا کہ خیال سے تو عاقل بھی مجنون ہوجاتا ہے۔

آن سوم وآن چارم وپنجم چنین　　در پے ما غم نمایند وحنین

یعنی وہ تیسرا اور چوتھا اور پانچواں اسیطرح ہمارے بعد اظہار رنج وغم کریں۔

تا چو سی کودک پیاپے این خبر　　متفق گویند یابد مستقر

یعنی یہانتک کہ جب تیس لڑکے آگے پیچھے اس خبر کو متفق ہوکر کہیں گے تو یہ (اسکے دل میں) قرار پکڑ جاویگی۔

ہر یکے گفتش کہ شاباش اے ذکی　　باد بختت بر عنایت متکی

یعنی ہر ایک نے اس لڑکے سے کہا کہ شاباش اسے ذکی تیرا بخت عنایت (حق) پر متکی ہو۔

متفق گشتند در عہد وثیق　　کہ نگرداند سخن را یک رفیق

یعنی وہ سب کے سب عہد وپیمان میں متفق ہوگئے کہ کوئی ساتھی بات کو پھیرے نہیں یعنی سب نے کہا کہ جسطرح ٹھیری ہے اسکے خلاف کوئی نہ کرے۔

بعد ازان سوگند داد او جملہ را　　تا کہ غمازے نگوید ماجرا

یعنی بعد اُسکے اُس نے سب کو قسم دی تاکہ کوئی غماز اس ماجرے کو کہہ نہ دے۔

رائی آن کودک بچربید از ہمہ　　عقل او در پیش میرفت از رمہ

یعنی اس لڑکے کی رائے سب سے بڑھ گئی اور اسکی عقل جماعت سے آگے چلتی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آن تفاوت ہست در عقل بشر　　کہ میان شاہدان اندر صور

زین قبل فرمود احمد در مقال　　در زبان پنہان بود حسن رجال

اختلاف عقلہا در اصل بود　　بر وفاق سنیان باید شنود

برخلاف قول اہل اعتزال　　کہ عقول از اصل دارند اعتدال

تجربہ و تعلیم بیش و کم کند　　تا یکے را از یکے اعلم کند

باطل است این زانکہ رائے کودکے　　کہ ندارد تجربہ در مسلکے

بگذرد زاندیشہ مردان کار　　عاجز آید کارشان در اضطرار

بر دمید اندیشہ زان طفل خرد	پیر با صد تجربہ بوئے نبرد
خود فزون آن بہ کہ آن از فطرت ست	با زا فزون کور جہد و فکرت ست
تو بگو دادہ خدا بہتر بود	یا کہ لنگی راہوارا نہ رود

یاد رکھو کہ آدمیونکی عقول میں بھی وہی تفاوت ہے جو معشوقونکی صورتون میں اسی کے متعلق جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے کہ آدمی کا حسن زبان کے نیچے مستور ہے یعنی جبتک آدمی کلام نہیں کرتا اسوقت تک اسکی عقل کا حسن و قبح ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سے تو صرف یہ امر ثابت ہوا کہ عقول میں تفاوت ہے مگر بعد کو اہل سنت اور معتزلہ میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ یہ اختلاف فطری ہے یا علم و تجربہ کی کمی بیشی کے سببسے ہی اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ اختلاف فطری ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ علم و تجربہ کی کمی بیشی سے ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اختلاف فطری ہے جیساکہ اہل سُنت کہتے ہیں (تم کو خوب سن رکھنا چاہیئے) برخلاف معتزلہ کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بدو فطرت میں عقول سب یکسان ہیں تجربہ اور تعلیم کی کمی بیشی اسمیں کمی بیشی پیدا کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے سے زیادہ عالم اور عاقل ہوجاتا ہے اور دوسرا کم رہجاتا ہے۔ اس قول کے بطلان کی دلیل یہ ہے ایک لڑکا جو نہ تجربہ رکھتا ہے اور نہ زیادہ علم اُسکی عقل ایک خاص معاملہ میں اُن لوگون سے بڑھ جاتی ہے جو اُسکے کرنے والے ہیں اور وہ اسکے مقابلہ میں عاجز اور مجبور ہوجاتے ہیں دیکھو اس چھوٹے بچہ کی عقل نے ایک ایسی بات پیدا کی کہ ایک بڈھا (اُستاد) باوجود سیکڑوں تجربون کے اسکی ہوا تک کو نہ پہونچ سکا۔ اب یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہو کہ کمی بیشی کو تو دونون فریق تسلیم کرتے ہین مگر اُسکے منشاء میں اختلاف رکھتے ہیں اب دیکھو کہ وہ زیادتی بہتر ہے جو بدو فطرت میں ہے یا وہ زیادتی جو کوشش اور غور و فکر کی مشق سے پیدا ہوئی ہے اور تمہیں انصاف سے کہدو کہ داد خدا بہتر ہے یا یہ کہ حقیقۃً ناقص اور صورۃً کامل ہو لہٰذا اسکی ایسی مثال ہو جیسے کہ

گھوڑا ہو تو لنگڑا اگر بتکلف رہوار چلتا ہو (ف یاد رکھو کہ یہ گفتگو معتزلہ کیلئے ملزم اور مسکت ہے کہ وہ نقصان کو فطری تسلیم کرتے ہیں اور الزام انھیں کو دینا مقصود بھی ہے مگر فی نفسہ مثبت مذہب نہیں بلکہ مثبت مذہب وہ دلیل ہے جو پیشتر بیان کی ہے یعنی مشاہدہ زیادتی عقل طفل خورد بر عقل پیر تجربہ کار) اس ضمنی گفتگو کو ختم کرکے پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آن تفاوت ہست در عقل بشر — کہ میان شاہدان اندر صور

یعنی عقل بشری میں وہ تفاوت ہے جیسا کہ معشوقون کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ عقول اصل فطرت سے سب مساوی ہوتی ہیں مگر تجربون کی زیادتی سے کوئی بڑھ جاتی ہے اور انکی کمی سے کوئی گھٹی رہتی ہے اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اصل فطرت ہی سے متفاوت ہوتی ہیں مولانا آگے اپنے مذہب کا اثبات اور معتزلہ کے مذہب کا رد فرماتے ہیں کہ۔

بیان میں اسکے کہ عقول خلق اصل فطرت سے متفاوت ہیں اور معتزلہ کے نزدیک اصل فطرت سے مساوی ہیں اور تفاوت حصول علم سے ہوتا ہے

وین قبل فرمود احمد در مقال — در زبان پنہان بود حسن رجال

یعنی اس قبیل سے احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے گفتگو مین فرمایا ہے کہ زبان مین حسن رجال پنہان

ہوتا ہے مطلب یہ کہ حضور نے فرمایا ہے کہ انسان کے بولنے سے اُسکے حسن و قبح کی حالت معلوم ہوجاتی ہے تو معلوم ہوا کہ انسان آپس میں متفاوت ہیں جب ہی تو زبان سے ایک دوسرے میں امتیاز ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اختلاف عقلہا در اصل بود　　بر وفاقِ سنیان باید شنود

یعنی اختلاف عقول اصل سے ہی ہے موافق مذہب سنیون کے سننا چاہیئے۔

برخلاف قول اہل اعتزال　　کہ عقول از اصل دارند اعتدال

یعنی بخلاف قول معتزلہ کے کہ عقول اصل فطرت سے اعتدال رکھتی ہیں (اور وہ کہتے ہیں کہ)

تجربہ و تعلیم بیش و کم کند　　تا یکے را از یکے اعلم کند

یعنی تجربہ اور تعلیم زیادہ اور کم کرتی ہے یہانتک کہ ایک کو دوسرے سے اعلم کردیتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ

باطل است این زانکہ رائی کودکے　　کہ ندارد تجربہ در مسلکے

یعنی (یہ مذہب معتزلہ) باطل ہے اسلئے کہ ایک بچہ کی عقل جو کہ معاملات میں تجربہ نہیں رکھتا ہے۔

بگذرد و ز اندیشہ مردان کار　　عاجز آید کارشان در اضطرار

یعنی بڑھ جاتی ہے مردان کار کے فکرون سے اور ان مردون کا کام اضطرار میں عاجز آتا ہے تو جب اُنکو تجربہ ہی نہیں تو پھر ان بچون کی عقل اُن سے کیون بڑھجاتی ہے معلوم ہوا کہ اصل فطرت ہی سے متفاوت ہیں۔ آگے تائید میں اُوپر والے بچہ کی حکایت کو پیش فرماتے ہیں رجوع الے القصہ نہیں ہے صرف تائید مقصود ہے فرماتے ہیں کہ۔

بر دمید اندیشۂ زان طفل خورد ‏ ‏ ‏ ‏ پیر با صد تجربہ بوئے نہ برد

یعنی اُس چھوٹے لڑکے میں سے ایک فکر نکلی تو وہ (معلم) بڑھا باوجود سو تجربوں کے بو نہ لیجا سکا تو معلوم ہوا کہ اُس بچہ کی عقل فطرتاً ہی زیادہ تھی۔

خود فزون آن بہ کہ آن از فطرت است ‏ ‏ ‏ ‏ باز افزونے کہ جہد و فکرت است

یعنی زیادتی وہی بہتر ہے جو کہ فطرت سے ہو اور پھر وہ زیادتی جو جہد و فکر سے ہو۔

تو بگو دادہ خدا بہتر بود ‏ ‏ ‏ ‏ یا کہ لنگے راہوارانہ رود

یعنی تم ہی کہو کہ خدا کی دی ہوئی بہتر ہے یا کہ وہ لنگڑا جو (بہ تکلف) راہواروں کی طرح چلتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہی دادہ خدا بہتر ہے پس جو عقل کہ فطرت سے زیادہ ہو وہی بہتر ہے یہ ایک لطیفہ کے طور پر فرما دیا آگے پھر اُن لڑکوں کا قصہ فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

روز گشت و آمدند آن کودکان ‏ ‏ ‏ ‏ بر ہمین فکرت بمکتب شادمان

جملہ استادند بیرون منتظر ‏ ‏ ‏ ‏ تا در آید اوّل آن یار مصر

زانکہ منبع او بدست این رای را ‏ ‏ ‏ ‏ سر امام آمد ہمیشہ پائے را

اے مقلد تو مجو بیشے بران ‏ ‏ ‏ ‏ کو بود منبع ز نور آسمان

او در آمد گفت اوستا را سلام | خیر باشد رنگ رویت زرد فام
گفت اوستا نیست رنجے مر مرا | تو برو بنشین مگو یاوہ ہلا
نفی کرد اما غبار وہم بد | اندکے اندر دلش ناگاہ زد
اندر آمد دیگرے گفت اینچنین | اندکے آن وہم افزون شد برین
ہمچنین تا وہم او قوت گرفت | ماند اندر حال خود بس در شگفت

خیر مشورہ طے پاگیا اور دن ہوا اسوقت لڑکے اسی خیال میں ڈوبے ہوئے خوش خوش مکتب میں آئے سب لڑکے اس ذہین لڑکے کے انتظار میں باہر کھڑے رہے کیونکہ اس رائے کا سرچشمہ وہی تھا اور وہ بمنزلہ سر کے تھا اور دیگر لڑکے بمنزلہ پاؤن کے اور سر پاؤں کا پیشوا ہوتا ہی ہے اس واقعہ سے مقلد و ناقل کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور محقق سے جو کہ نور حق سُبحانہ کا سرچشمہ ہے بڑہنے کا خیال نہ کرنا چاہیئے خیر یہ تو ضمنی گفتگو تھی اب سُنو کہ وہ لڑکا آیا اور آکر اُس نے اُستاد کو سلام کیا اور کہا کہ خیر تو ہے جناب کے چہرہ کی رنگت کچھ زردی مائل ہے اُستاد نے اسکو توجہ کر دیا اور کہا کہ جا اپنی جگہ بیٹھ بیہودہ بکواس مت کر مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے اُس نے بیماری کا انکار تو کر دیا مگر بُرے خیال نے اسکے دل پر اثر ضرور کیا اُس نے سوچا کہ احتمال تو ہے کہ یہ لڑکا سچ کہتا ہو۔ دوسرا اور آیا اُس نے بھی یہی کہا۔ اس سے اس وہم میں اور ترقی ہوئی یہی سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ وہ وہم قوی ہو گیا اور اُس نے سمجھ لیا کہ میں واقع میں بیمار ہون اور یہ سمجھکر اپنی حالت پر بہت متعجب ہوا اور کہا کہ کسقدر عجیب بات ہے کہ میں بیمار ہون اور مجھے خبر نہیں۔
یہاں مولانا اسکے مناسب اور مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں ؎

لڑکون کا اُستاد کو مکر سے وہم میں ڈال دینا

روز گشت و آمدند آن کودکان　　　بر ہمین فکرت بمکتب شادمان

یعنی دن ہوگیا اور وہ لڑکے اسی فکر میں خوش خوش مکتب میں آتے۔

جملہ استادند بیرون منتظر　　　تا درآید اول آن یار مکر

یعنی سارے باہر منتظر کھڑے ہو گئے تاکہ اول وہ یار مکار آوے۔

زانکہ منبع او بدست این رای را　　　سر امام آمد ہمیشہ پاے را

یعنی اسلئے کہ اُس راے کا وہی منبع تھا اور پاؤن کے لئے ہمیشہ سر ہی امام ہوتا ہے ہندا وہ اسکے منتظر ہوے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے مقلد تو مجو پیشی بران　　　کو بود منبع ز نور آسمان

یعنی اے مقلد تو اسپر پیشی مت ڈھونڈھ جو کہ نور آسمانی سے منبع ہووے۔ مطلب یہ کہ بس تم کو بتا دیا گیا ہے اب اُس پر اپنی طرف سے زیادتی مت کرو ورنہ خطا پاؤ گے۔ آگے پھر اُن لڑکون کی حکایت ہے۔

او درآمد گفت استا را سلام　　　خیر باشد رنگ رویت زرد فام

یعنی وہ لڑکا آیا اور اُستاد کو سلام کیا (اور بولا کہ) خیر ہے آپکے چہرے کا رنگ زرد زرد ہے۔

گفت استا نیست رنجے مر مرا　　تو برو بنشین مگو یاوہ ہلا

یعنی استاد نے کہا کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے تو جا بیٹھ خبردار فضول مت بک۔

نفی کرد اما غبار وہم بد　　اندکے اندر دلش ناگاہ زد

یعنی اُس نے نفی کر دی مگر وہم بد کا غبار تھوڑا سا اُسکے دل پر جم گیا۔

اندر آمد دیگرے گفت این چنین　　اندکے آن وہم افزون شد برین

یعنی دوسرا اندر آیا اور اُس نے بھی اسیطرح کہا تو تھوڑا سا وہم اس (پہلے) پر زیادہ ہوا۔

ہمچنین تا وہم او قوت گرفت　　ماند اندر حال او بس در شگفت

یعنی اسیطرح (سب کہتے رہے) یہانتک کہ اسکے وہم نے قوت پکڑ لی اور وہ اپنی حالت میں ایک تعجب میں (رہ گیا کہ مجھے کیا ہو گیا) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ معلم دوسرون کے کہنے سے وہم میں پڑ گیا اسیطرح فرعون بھی دوسرونکی تعلیم سے وہم میں مبتلا ہو گیا تھا اور اپنی حالت کی خبر نہ تھی فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سجدۂ خلق از زن و از طفل و مرد　　زو دل فرعون را رنجور کرد

گفتن ہر یک خداوند و ملک　　آنچنان کردش ز وہمے منہتک

که بدعوے الٰہی شد دلیر	اژدہا گشت ونمی شد ہیچ سیر
عقل جزوی آفتش وہم ست وظن	زانکہ درظلمات شدا ورا وطن
برزمین گرنیم گز راہے بود	آدمی بے وہم ایمن می رود
برسر دیوار عالے گر روی	گر دوگز عرضش بود کثر می شوی
بلکہ می اُفتی زلرز دل بوہم	ترس و وہمے رانکو بنگر بفہم

دیکھو جسطرح لڑکون کے کہنے سے استاد اپنے کو بیمار سمجھہ گیا اور پھر سچ مچ بیمار بنگیا یوں ہی عورتون بچون اور مردون غرض کہ مخلوق کے سجدون سے فرعون اپنے کو خدا سمجھہ گیا تھا اور یہ سمجھکر مریض القلب ہوگیا تھا اور ہر شخص کے خداوند نعمت اور پادشاہ کہنے نے غلبہ وہم کے سبب یون ہی مشکور سوا کیا تھا کہ وہ دعوے الوہیت پر جرآت کر بیٹھا۔ اور اژدہا بنگیا کہ اپنی تعظیم سے اسکا دل سیر ہی نہ ہوتا تھا۔ اس سے تم سمجھو کہ وہم وظن عقل ناقص کے لئے آفت ہے کیونکہ وہم وظن کا گھر ظلمات میں ہے اور ان کو ظلمات ناسوت ہی سے تعلق ہے۔ پس اگر عقل ناقص ہوتی ہے تو یہ اسیر غالب آکر اُسکو بھی ظلمات کر دیتے ہیں اور وہ ادراک حقیقت سے قاصر ہوجاتی ہے اسکی تصدیق پورے طور پر تم کو اس واقعہ سے ہوگی کہ اگر زمین پر آدھ گز چوڑا رستہ ہو تو آدمی بیخوف وخطر چلا جاتا ہے لیکن اگر کوئی اونچی دیوار ہو اور اسپر چلنا پڑے تو اگر دو گز چوڑا رستہ بھی ہوگا تب بھی تم کبھی ایک طرف کو جھک جاؤ گے بلکہ غلبہ وہم سے دل کانپنے لگے گا اور ہاتھ پاؤں بے قابو ہوجائنگے اور تم گر پڑو گے اس سے تم سمجھہ لو کہ خوف اور وہم کیا قوت رکھتا ہے۔ اور کیا عقل پر غالب آکر اسکو بیکار کر دیتا ہے جب یہ فائدہ معلوم ہوگیا تو اب قصہ شنو۔

فرعون کا لوگون کی تعظیم کی وجہ سی بیمار ہو جانا

سجدۂ خلق از زن و از طفل و مرد ۔ زد دل فرعون را رنجور کرد

یعنی مخلوق کے سجدہ نے عورتون اور بچون اور مردوں سے جلد ہی فرعون کے دل کو بیمار کر دیا زن و طفل و مرد تفسیر ہے خلق کی یعنی جب لوگون کی تعظیم کی وجہ سے اسکا دل خراب ہو گیا اور اسکے اندر تکبر کوٹ کوٹ کر بھر اگیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

گفتن ہر یک خداوند و ملک ۔ آنچنان کردش ز وہم منہلک

یعنی ہر ایک کے خداوند اور بادشاہ کہنے نے اسکو اسطرح وہم سے ہلاک ہونیوالا کر دیا۔

کہ بدعوے الٰہی شد دلیر ۔ اژدہا گشت و نمی شد ہیچ سیر

یعنی کہ دعوے الوہیت میں دلیر ہو گیا (اور ظلم میں) اژدہا ہو گیا تھا مگر سیر نہ ہوتا تھا۔ یعنی جتنی کوئی تعظیم کرے اس سے اسکو زیادہ کی ہوس ہوتی تھی آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی آفتش وہم ست و ظن ۔ زانکہ در ظلمات شد او را وطن

یعنی عقل جزوی کی آفت وہم اور ظن میں ہے اسلئے کہ ظلمات میں اسکا وطن ہوتا ہے۔ تو وہ حقیقت کو نہیں دیکھ سکتی۔ آگے وہم کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

بر زمین گر نیم گز راہے بود ۔ آدمی بے وہم ایمن مے رود

یعنی زمین پر اگر آدھ گز بھی راہ ہووے تو آدمی بے وہم کے بیخوف چلا جاتا ہے۔

بر سر دیوار عالے گر روی ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ گر دو گز عرضش شود کژ می شوی

یعنی اور اگر کسی بلند دیوار پر چلتے ہو تو اگر اسکا عرض دو گز ہو تب بھی کج ہوتے جاتے ہو۔

بلکہ می افتی ز لرز دل بوہم ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ترس وہم را نکو بنگر بفہم

یعنی بلکہ تم دل کے کانپنے کی وجہ سے گر پڑتے ہو اور خوف اور وہم کو فہم سے اچھی طرح سمجھ لو تو دیکھو ایک جگہ تو آدھی گز زمین پر چلتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے اور دوسری جگہ دو گز زمین پر بھی گر سے پڑتے ہو یہ اسکی وجہ سے ہے کہ تم کو یہان گرنے کا وہم نہیں ہے اور وہان وہم ہے تو وہم ایسی بلا ہے۔ آگے پھر اُس معلم کی حکایت فرماتے ہیں کہ۔

گشت استا سخت سست از وہم و بیم ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بر جہید و مے کشاید او گلیم

خشمگین با زن کہ مہر او سست ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ من بدین حالم نپرسید و نجست

خود مرا آگہ نکرد از رنگ من ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ قصد دارد تا رہد از ننگ من

او بحسن و جلوۂ خود مست گشت ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بیخبر کز بام من افتاد طشت

آمد و در را بہ تندی بر کشاد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کودکان اندر پئے آن اوستاد

گفت زن خیرست چون زود آمدی — که مبادا ذات نیکت را بدی

گفت کوری رنگ و حال من ببین — از غم بیگانگان اندر حنین

تو درون خانه از بغض و نفاق — می نه بینی حال من در احتراق

گفت زن ای خواجه عیبی نیستت — وهم و ظن لاش بی معنیستت

گفت ای غر تو هنوزی در لجاج — می نه بینی این تغیر و ارتجاج

گر تو کور و کر شدی ما را چه جرم — ما درین رنجیم و در اندوه و کرم

گفت ای خواجه بیارم آینه — تا بدانی که ندارم من گنه

گفت رو نه تو رهی نی آینه‌ات — دائما در بغض و کینی و عنت

جامهٔ خواب مرا زو گستران — تا بخسپم که سر من شد گران

زن توقف کرد مردش بانگ زد — کای عدو زوتر ترا این می‌سزد

جامه خواب آورد و گسترد آن عجوز — گفت امکان نی و باطن پر ز سوز

گر بگویم متہم دارد مرا | ورنہ گویم جد شود این ماجرا
فال بد رنجور گرداند ہمے | آدمے را کہ نبودستش غمے
قول پیغمبر قبولہ یفرض | ان تمارضتم لدنیا تمرضوا
گر بگویم او خیالے بر زند | فعل دارد زن کہ خلوت میکند
مر مرا از خانہ بیرون میکند | بہر فسقے فعل و افسون میکند
جامہ خواب افگند او ستاد و فتاد | آہ آہ و نالہ از وے می بزاد
کودکان آنجا نشستند و نہان | درس میخواندند با صد اندہان
کاین ہمہ کردیم و ما زند انیم | بد بنائے بود و ما بد بانیم
ہین دگر اندیشۂ باید نمود | تا ازین محنت فرج یابیم زود

اُستاد وہم اور خوف کے سبب بہت ہی نحیف ہو گیا وہ اُٹھا اور اپنا کمبل اٹھا کر چلدیا۔ بیوی پر نہایت غصہ تھا کہ میں اس حالت میں تھا اور اُس نے پیشتر سے نہ پوچھا کہ تیری رنگت زرد ہے تجھے کیا تکلیف ہے اور مجھے میری رنگت پر مطلع نہ کیا۔ جی وہ کیون کرتی وہ تو خدا سے چاہتی ہے کہ یہ کہیں مرے اور میری زوجیت کی عار سے اُسکا پیچھا چھوٹے وہ اپنے

غرور حسن میں مست ہے اُسے اتنی بھی خبر نہیں کہ میری بیماری لوگوں میں مشہور ہو گئی غرض وہ اس
پیچ و تاب میں مکان تک پہونچا اور زور سے دروازہ کھولا۔ لڑکے بھی اُستاد کے پیچھے پیچھے آرہے
تھے کیونکہ اُنکو ابھی چھٹی نہ ملی تھی۔ عورت نے انکو بے وقت آتا دیکھکر پوچھا کہ خیر تو ہے آپ آج
اسوقت کیسے چلے آئے خدا نکرے کہ آپ کو کوئی نقصان پہونچا ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ اندھی ہو گئی
ہے مجھ سے کیا پوچھتی ہے میری حالت اور میری رنگت دیکھ لے۔ غضب ہے کہ میرے غم میں
دوسرے لوگ تو کڑھتے ہیں اور تو گھر میں رہکر بغض و نفاق کے سبب میری حالت نہیں دیکھتی
کہ میں بھن رہا ہوں۔ اُس نے کہا جناب آپ تو اچھے خاصے ہیں کوئی نقصان بھی آپکے اندر نہیں
محض بے معنی اور فضول توہم اور خیال فاسد ہے اُسنے کہا کہ چھنال تو اب تک بھی جھگڑا ہی نکال
رہی ہے مجھے نہیں دیکھتی کہ میری حالت میں کسقدر تغیر آگیا ہے اور میں کیسا کانپ رہا ہوں
اگر اندھی اور بہری ہو گئی ہے تو ہمارا کیا قصور۔ ہم خود اپنی تکلیف اور رنج و غم میں مبتلا ہیں۔
اسنے کہا کہ جناب آپ فرمائیں تو میں آئینہ لاکر آپکو آپ کی حالت دکھلادوں تاکہ آپ جان لیں
کہ میں اس معاملہ میں بے قصور ہوں اُسنے کہا جا دُور ہو خدا کرے نہ تو بچے نہ تیرا آئینہ۔ سب تباہ
ہوں۔ تو ہمیشہ عداوت اور دشمنی اور ضد ہی کرتی رہی جا میرا بستر بچھادے میرا سر بھاری ہو رہا ہے
ذرا سو رہوں۔ عورت نے بستر بچھانے میں توقف کیا سمجھا کہ شاید سمجھ جائیں مگر اُس نے ڈانٹا کہ
اری دشمن جلدی سے بچھادے اسوقت تجھے ایسا کرنا چاہیئے خیر بڑی بی بستر لے آئی اور لاکر بچھادیا
دل میں جل رہی تھی لیکن کچھ کہہ نہ سکتی تھی سوچتی تھی کہ میں کچھ کہتی ہوں تو مجھے متہم سمجھے گا اور اگر
نہیں کہتی تو یہ قصہ سچ ہوا جاتا ہے اور یہ یقیناً بیمار ہو جائیگا کیونکہ جو آدمی بیمار نہ ہو اور اپنے کو
بیمار کہے تو وہ واقع میں بیمار ہو جاتا ہے اسلئے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد
کو صحیح سمجھنا لازمی ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اے منافقین اگر تم ہمارے سامنے بیمار بنکر آؤگے
تو تم واقع میں بیمار ہو جاؤگے اور اگر کہتی ہوں تو وہ خیال کریگا کہ عورت کوئی حرکت کرنا چاہتی ہے
اسلئے مجھے ٹالتی ہے اور تنہائی چاہتی ہے یہ اسکی ایک چال ہے کہ مجھے تو صحت کا یقین دلاکر
گھر سے نکالتی ہے اور خود حرامکاری کریگی ان تمام باتوں پر نظر کرکے اُس نے بدنامی پر بیماری
کو ترجیح دی اور بستر بچھادیا۔ استاد صاحب لیٹ گئے اور ہائے ہائے کرنے لگے لڑکے بھی

بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ پڑھنے لگے انکو اسکا رنج تھا کہ ہم نے یہ سب کچھ کیا پھر بھی ہم قید میں گرفتار ہیں ہماری عمارت بُری تھی اور ہم بُری عمارت بنانے والے تھے۔ اچھا اب کوئی اور تدبیر کرنی چاہئے کہ اس مصیبت سے چھوٹکر خوشی حاصل کریں۔

شرح شبیری

اُستاد معلم کا وہم وخیال کی وجہ سے بیمار ہوجانا

گشت اُستا سخت سست از وہم وبیم　　　برجہید و مے کشاید او گلیم

یعنی استاد وہم وخوف کی وجہ سے بہت سُست ہوگیا تو اٹھا اس حالت میں کہ کمبل کھینچتا تھا۔

خشمگین بازن کہ مہر او ست سست　　　من بدین حالم نہ پرسید او نخست

یعنی بیوی پر غصہ میں تھا کہ اُسکی محبت سُست ہے کہ میں اس حال میں ہوں اور اُسنے پہلے نہ پوچھا۔

خود مرا آگہ نکرد از رنگ من　　　قصد دارد تا رہد از ننگ من

یعنی اُسنے خود مجھے میری تغیر رنگ سے آگاہ نہیں کیا وہ تو یہ چاہتی ہے کہ میرے ساتھ سے چھوٹ جاوے

او بحسن و جلوۂ خود مست گشت　　　بیخبر کز بام من افتاد طشت

یعنی وہ اپنے حسن جلوہ میں مست ہے اور وہ اس سے بیخبر ہے کہ میری بیماری مشہور ہوگئی ہے۔

آمد و در را بہ تندی بر کشاد　　　کودکان اندر پئے آن اوستاد

یعنی آیا اور دروازہ سختی سے کھولا اور لونڈے اُس اُستاد کے پیچھے پیچھے۔

گفت زن خیرست چون زود آمدی　　　　که مبادا ذات نیکت را بدے

یعنی عورت بولی کہ خیر ہے جلدی کیسے آگئے کہ آپکی ذات نیک کو کوئی برائی نہ ہو۔

گفت کوری رنگ و حال من ببین　　　　از غم بیگانگان اندر حنین

یعنی وہ معلم بولا کہ اندھی ہے میرا رنگ اور میری حالت دیکھ کہ میری تکلیف سے بیگانے رنج میں ہیں

تو درون خانہ از بغض و نفاق　　　　می نہ بینی حال من در احتراق

یعنی تو گھر کے اندر بغض و نفاق کی وجہ سے میرا حال جلنے میں دیکھتی نہیں ہے یعنی میں بخار کے مارے جل رہا ہوں اور کمبخت تجھے گھر کے اندر رہکر خاک خبر نہیں۔

گفت زن اے خواجہ رنجی نیستت　　　　وہم و ظن و لاش بے معنیستت

یعنی عورت نے کہا کہ اے خواجہ آپکو کوئی تکلیف نہیں ہے وہم و ظن لاشے اور بے معنی تم کو ہو گیا ہے

گفت اے غر تو ہنوزی در لجاج　　　　می نہ بینی در تغیر وارتجاج

یعنی بولا کہ اری مکار تو ابھی لڑائی میں ہے تو میرا تغیر اور کانپنا نہیں دیکھتی۔

گر تو کور و کر شدی ما را چہ جرم　　　　ما درین رنجیم و در اندوہ و کرم

یعنی بولا کہ اگر تو کور و کر ہو جاوے تو ہماری کیا خطا ہم تو اس تکلیف اور غم اور مصیبت میں ہیں۔ یعنی وہ بیوی سے بولا کہ میں تو اس حال میں ہوں اور تو اچھا بتا رہی ہے تو میری کیا خطا ہے۔

گفت اے خواجہ بیارم آئینہ　　　　تا بدانی کہ ندارم من گنہ

یعنی بیوی نے کہا کہ میاں میں آئینہ لے آؤں تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ میری خطا نہیں ہے۔

گفت رو رو چہ تو چہ آئینہ ات دائما در بغض و کینے و عنت

یعنی وہ بولا کہ جا جا کیا تو اور کیا تیرا آئینہ تو ہمیشہ بغض اور کینہ اور سرکشی میں رہتی ہے

جامۂ خواب مرا رو گستران تا بخسپم کہ سر من شد گران

یعنی میرا بستر جلدی بچھا دے تا کہ میں سو رہوں کہ میرا سر بھاری ہو گیا ہے۔

زن توقف کرد مردش بانگ زد کاے عدو تر ترا این مے سزد

یعنی عورت نے (بچھونا کرنے میں) توقف کیا (تاکہ وہم زائل ہو جاوے) تو اُس مرد نے اُس کو آواز دی کہ اری دشمن تجھے یہی لائق ہے (کہ ہم مر رہے ہیں اور تو بیٹھی ہوئی ہے)

اُستاد کا بستر میں لیٹ جانا اور وہم و تکلیف کیوجہ سے رُونا

جامہ خواب آورد و گسترد آن عجوز گفت امکان نے و باطن پُر ز سوز

یعنی وہ بُڑھیا بستر لائی اور بچھا دیا بولنے کی تو طاقت نہیں اور اندر سے جل رہی تھی (اور دل ہی دل میں یون کہہ رہی تھی کہ)

گر بگویم متہم دارد مرا ورنہ گویم جد شود این ماجرا

یعنی اگر کہتی ہون تو یہ مجھے متہم کریگا اور اگر نہیں کہتی ہون تو یہ بات سچ ہوئی جاتی ہے۔ یعنی سچ مچ بیمار ہو جاوے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

فال بد رنجور گرداند ہمے آدمی را کہ نبودستش غمے

یعنی فال بد اُس آدمی کو بھی بیمار بنا دیتی ہے جسکو کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔

قول پیغمبر قبولہ یفرض ان تمارضتم لدنیا تمرضوا

یعنی قول پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہے تو اُسکا قبول کرنا فرض ہے (اور وہ یہ ہے کہ) اگر تم دنیا کیلئے مریض ہوگے تو سچ مچ مریض ہو جاؤگے حدیث میں منافقین کیلئے ہے اگر تم بہانہ کرکے مریض ہوگے تو سچ مچ مریض ہو جاؤگے اُسیکو مولانا نے یہاں چسپان فرمادیا ہے آگے پھر اُس عورت کے دل کی باتونکو بیان فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ۔

گر بگویم او خیالے بر زند فعل دارد زن کہ خلوت میکند

یعنی اگر میں کہتی ہوں تو وہ یہ خیال کریگا کہ عورت کوئی فعل کرنا چاہتی ہے کہ جو خلوت کرتی ہے مطلب یہ کہ اسنے کہا کہ اگر مین کہتی ہوں کہ تم تو اچھے خاصے ہو جاکر پڑھاؤ تو وہ سمجھے گا کہ کوئی یار ہے اسکو بلانے کے لئے خلوت کرنا چاہتی ہے۔

مر مرا از خانہ بیرون میکند بہر فسقے فعل و افسون میکند

یعنی (سمجھیگا) کہ مجھے گھر سے باہر کرتی ہے اور کسی کام کے لئے یہ کام اور چالاکی کرتی ہے۔ خیر دل میں یہ سب سوچا مگر بستر بچھا دیا۔

جامہ خواب افگند و استا اوفتاد آہ آہ و نالہ از وے می بزاد

یعنی اسنے بستر بچھادیا تو استادجی گر پڑے اور آہ آہ اور نالہ و بکا اس سے پیدا ہوا۔

کودکان آنجا نشستند و نہان درس میخواندند با صد اندہان

یعنی لڑکے وہاں بیٹھے ہوتے اور چپکے چپکے سبق سو غمونکے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

کاین ہمہ کردیم و ہم زندانیم بدبنائے بود و ما بد بانیم

یعنی کہ ہم نے یہ سب کچھہ کیا اور رہم قید ہی ہیں یہ سب بڑی بناکچی اور ہم بُرے بانی ہیں مطلب یہ کہ چونکہ استاد نے کہا کہ گھر پر بیٹھ کر پڑہو اور میں لیٹتا ہون تو وہ اس غم میں ستھے کہ افسوس کہ اسکو بیمار بھی تدبیر سے ڈالا مگر پھر بھی کچھہ نہ ہوا ہم قیدی کے قیدی ہی رہے اسکے بعد بولے کہ۔

ہین دگر اندیشۂ باید نمود تا ازین محنت فرج یابیم زود

یعنی ارے کوئی دوسری فکر کرنی چاہیئے تاکہ اس مصیبت سے ہم جلدی سے خوشی حاصل کرین۔ مطلب یہ کہ سب نے کہا کہ ایسی تدبیر سوچو کہ اس سے بھی چھوٹین تو اسی لڑکے نے پھر تدبیر کی جسکو آگے بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفت آن زیرک کہ ای قوم پسند درس خوانید و کنید آواز بلند

چون ہمی خواند گفت ای کودکان بانگ ما استاد را دارد زیان

درد سر افزاید استا را ز بانگ ارزد این کو درد یابد بہر دانگ

گفت استا راست میگوید روید درد سر افزون شدم بیرون شوید

سجدہ کردند و بگفتند اے کریم دور بادا از تو رنجوری و بیم

پس برون جستند سوئے خانہا ہمچو مرغان در ہوائے دانہا

مادران شان خشمگین گشتند و گفت — روز کتاب و شما با لہو جفت

وقت تحصیل ست اکنون و شما — مے گریزید از کتاب و اُستا

عذر آوردند کاے مادر تو بیست — این گنہ از ما و از تقصیر نیست

از قضائے آسمان استاد ما — گشت رنجور و سقیم و مبتلا

مادران گفتند مکر ست و دروغ — صد دروغ آرید بہر طمع دوغ

ما صباح آئیم پیش استا — تا ببینیم اصل این مکر شما

کودکان گفتند بسم اللہ روید — بر دروغ و صدق ما واقف شوید

بامدادان آمدند آن مادران — بپرسش استا ز ہر گوشہ روان

خفتہ استا ہمچو بیمار گران — درد سر را سر بہ بستہ چون زنان

ہم عرق کردہ ز بسیاری لحاف — سر بہ بستہ رو کشیدہ در سجاف

آہ آہے میکند آہستہ او — جملگان گشتند ہم لاحول گو

خیر باشد اوستاد این درد سر | جان تو ما را نبوده زین خبر

گفت ہم بے بیخبر بودم ازین | آگہم این کو دکان کردند ہین

من بدم غافل بشغل قال و قیل | بود در باطن چنین رنجے ثقیل

چون بجد مشغول باشد آدمے | او ز دید رنج خود باشد عمے

از زنان مصر یوسف شد سمر | که ز مشغولے بشد زیشان خبر

پارہ پارہ کردہ ساعد ہائے خویش | روح والہ که نہ پس دید اندر نہ پیش

اے بسا مرد شجاع اندر حراب | که ببرد دست پایش را ضراب

او ہمان دست آورد در گیر و دار | بر گمان آنکه ہست او برقرار

خود نه بیند دست رفته در ضرر | خون از و بسیار رفته بیخبر

یہ سوچکر اُس زیرک لڑکے نے کہا کہ لڑکو خوب زور زور سے پڑھو جب وہ زور زور سے پڑھنے لگے تو کہا اتنے زور سے کیون پڑھتے ہو ہمارے چلانے سے اُستاد کو نقصان پہنچتا ہے آواز سے اُنکے سر میں درد بڑھتا ہے کیا یہ مناسب ہے کہ ایک دانگ کیلئے وہ تکلیف اُٹھائیں اُستاد نے کہا ہان یہ ٹھیک کہتا ہے جاؤ میرے سر کا درد بڑھ گیا جاؤ ابھی چلے جاؤ سب آداب بجا لائے اور کہا

خدا کرے آپ جلد تندرست ہو جائیں آپکو بھی تکلیف ہے اور ہماری پڑھائی کا بھی نقصان ہے یہ کہکر سب نکلکر اپنے اپنے گھر یوں بھاگے جیسے جانور دانہ کی خاطر پنجرہ سے نکلتے ہیں۔ اُنکی ماؤں نے جب یہ دیکھا کہ مکتب کا وقت ہے اور لڑکے کھیل رہے ہیں تو اُنھوں نے لڑکوں سے کہا کہ مکتب کا دن ہے اور تم کھیل رہے ہو پڑھنے کیوں نہیں گئے یہی وقت علم حاصل کرنے کا ہے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ کتاب اور اُستاد سے بھاگتے ہو اُنھوں نے معذرت کی اور کہا اور اماں آپ ذرا ٹھیرین تو سہی یہ ہمارا قصور اور ہماری کوتاہی نہیں ہے بلکہ حکم خدا سے اُستاد صاحب بیمار ہو گئے ہیں ماؤں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو تمہاری عادت ہے کہ معمولی نفع کیلئے سیکڑوں جھوٹ تراشتے ہو ہم صبح کو خود اُستاد کے پاس جائینگے تاکہ تمہاری اس فریب کی حقیقت ظاہر ہو جاوے لڑکوں نے کہا بسم اللہ آپ تشریف لیجائیں اور ہمارا جھوٹ سچ معلوم کریں۔ صبح کو لڑکوں کی مائیں آئیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اُستاد یوں پڑے ہوئے ہیں جیسے کوئی نہایت سخت بیمار پڑا ہوا ہو بہت سے لحافوں کے سبب پسینہ پسینہ ہیں سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے مُنہ کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ اشتداد مرض کے خوف سے آہستہ آہستہ آہ آہ کر رہے ہیں۔ یہ دیکھکر سب نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ اُستاد خیر تو ہے آپ کو تو یہ تکلیف ہے اور ہم کو خبر بھی نہیں۔ اُس نے کہا کہ تم کو خبر نہ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں مجھے بھی خبر نہ تھی ان لڑکوں ہی نے مجھے بھی خبر کی ہے میں تو پڑھنے پڑھانے میں مصروف تھا اور اندر یہ سخت مرض بھرا ہوا تھا جب آدمی کسی کام میں منہمک ہوتا ہے تو اُسکو اپنی تکلیف کی خبر نہیں ہوتی۔ دیکھو زنان مصر اور یوسف علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ وہ سب دیدار یوسف میں مشغول تھیں اور اسی مشغولی میں اُنکو کسی چیز کی خبر نہ رہی تھی۔ حتے کہ انھوں نے ترنج تراشتے ہوئے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور روح اسقدر لذت دیدار میں مشغول تھی کہ آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ تھی۔ بہت سے آدمی لڑائی میں ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکے ہاتھ شمشیر زنی میں زخمی ہو جاتے ہیں اور وہ اسے ہاتھ کو کام میں لاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہاتھ اسیطرح صحیح سالم ہے۔ انہیں یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہاتھ بیکار ہو گیا اور اسی بیخبری کی حالت میں بہت سا خون بہ جاتا ہے یہ قصہ تو ختم ہوا اور وہم کی قوت معلوم ہو گئی اب ہم اسکے مناسب بعض فوائد بیان کرتے ہیں۔

لڑکون کا اُستاد کو دوسری مرتبہ وہم میں ڈالنا کہ اسکو قرآن پڑہنے سے دردسر ہوتا ہے

گفت آن کودک کہ ای قوم پسند　　درس خوانید وکنید آوا بلند

یعنی (اول تو) اُسی لڑکے نے (چپکے سے) کہ اے قوم پسندیدہ سبق پڑہو اور آواز کو بلند کرو۔

چون ہمی خواندند گفت ای کودکان　　بانگ ما اُستاد را دارد زیان

یعنی جب سبنے (زور سے) پڑہا تو بولا کہ ارے لڑکو ہماری آواز اُستاد کو نقصان دیتی ہے۔

دردسر افزاید استا را ز بانگ　　ارزد این کو دردیابد بہر دانگ

یعنی آواز سے اُستاد کا دردسر بڑہتا ہے تو کیا یہی لائق ہے کہ وہ چند پیسوں کے لئے دردپاوے یعنی اسکو جو معراتی وغیرہ ملجاتی ہے بس اُسکے واسطے وہ دردسر مول لے۔ لہذا آہستہ پڑہو۔

گفت اُستا راست میگوید روید　　دردسر افزون شدم بیرون شوید

یعنی استاد نے کہا کہ یہ سچ کہتا ہے تم لوگ جاؤ۔ میرا دردسر بڑہتا ہے جاؤ باہر جاؤ۔ یعنی اس کہنے سے اسکو وہم ہو گیا کہ ہاں دردسر بڑہتا تو ہے لہذا سب کو چھٹی دیدی۔

سجدہ کردند وبگفتند ای کریم　　دور بادا از تو رنجوری و بیم

یعنی سب نے اُس لڑکے کو سجدہ کیا اور کہا کہ اے کریم تو ہمیشہ رنجوری اور بیم سے خدا کرے دور ہے سجدہ کرنے سے مراد۔ سب نے اسکا شکریہ ادا کیا اور اُسکو دعا دی۔

پس برون جستند سوئے خانہا ہمچو مرغان در ہوائے دانہ ہا

یعنی بس وہ اپنے گہرون کی طرف چلدیئے جیسے کہ پرند دانہ کی خواہش میں۔ یعنی جسطرح کہ جانور تلاش دانہ میں ہوتا ہے اسیطرح وہ سارے وہان سے گہرون کو روانہ ہوگئے۔

لڑکونکا مکتب سے اس مکر سے چھوٹنا اور اُنکی ماؤنکا اُنسے سوال کرنا

مادران شان خشمگین گشتند وگفت روز کتاب و شما با لہو جفت

یعنی انکی مائیں غصہ ہوئیں اور بولیں کہ دن تو مکتب کا ہے اور تم کہیل رہے ہو۔

وقت تحصیل است اکنون و شما می گریزید از کتاب اوستا

یعنی یہ وقت تحصیل (علم) کا ہے اور تم کتاب اور اُستاد سے بھاگتے ہو۔

عذر آوردند کائے مادر تو ایست این گنہ از ما و از تقصیر نیست

یعنی سب نے عذر کیا اور کہا کہ اماں تم ٹھیرو تو یہ ہماری خطا نہیں ہے اور ہمارے قصور سے نہیں ہے (بلکہ)

از قضائے آسمان اُستاد ما گشت رنجور و سقیم و مبتلا

یعنی قضائے آسمانی کی وجہ سے ہمارا اُستاد بیمار اور سقیم اور مبتلا (مصیبت) ہوگیا ہے۔

مادران گفتند مکر ست و دروغ صد دروغ آرید بہر طمع دوغ

یعنی ماؤن نے کہا کہ مکر ہے اور جھوٹ ہے تم سو جھوٹ دوغ کی طمع میں لاتے۔ دوغ سے مراد چھاچھ

یعنی تم اسکے لئے جتنے مکر چاہے کرو۔

ما صباح آئیم پیش اوستا تا بہ بینیم اصل این مکر شما

یعنی ہم صبح کو اُستاد کے آگے آوینگے تاکہ تمہارے اس مکر کی اصل دیکھیں۔

کودکان گفتند بسم اللہ روید بر دروغ و صدق ما واقف شوید

یعنی لڑکے بولے کہ بسم اللہ جاؤ اور ہمارے سچ جھوٹ پر واقف ہوجاؤ۔ یعنی جاکر معلوم کرلو کہ آیا ہم سچے ہیں یا جھوٹے ہیں۔

ماؤں کا علی الصباح اُستاد کی عیادت کو جانا

بامدادان آمدند آن مادران پرسش استا ز ہر گوشہ روان

یعنی صبح کو وہ مائیں استاد کے پوچھنے کیلئے ہر گوشہ سے روانہ ہوکر آئیں۔

خفتہ اُستا ہمچو بیمار گران در دسر را سر بہ بستہ چون زنان

یعنی اُستاد سخت بیمار کی طرح پڑا ہوا تھا اور درد سر کیلئے سر کو عورتوں کی طرح باندھے ہوئے تھا۔

ہم عرق کردہ ز بسیاری لحاف سر بہ بستہ رو کشیدہ در سجاف

یعنی لحافوں کی زیادتی سے پسینہ لائے ہوئے اور سر باندھے ہوئے اور پردوں میں منہ لپیٹے ہوئے۔

آہ آہے می کند آہستہ او جملگان گشتند ہم لاحول گو

یعنی وہ آہ آہ آہستہ آہستہ کر رہا ہے تو سب کی سب لاحول پڑھنے لگیں یعنی جب سب نے علامتوں سے دیکھا کہ اچھا خاصہ ہے اور عورتوں کی طرح کراہ رہا ہے تو سب نے لاحول پڑھی مگر جب آہی گئیں۔

تھیں اب بے پوچھے جانا مناسب نہ تھا لہذا بولیں کہ۔

خیر باشد استاد این درد سر جان تو مارا نبوده زین خبر

یعنی اے استاد خیر تو ہے یہ درد سر کب سے ہے آپکی جان کی قسم ہم کو تو خبر بھی نہ تھی۔

گفت من ہم بے خبر بودم ازین آگہم این کودکان کردند ہین

یعنی استاد صاحب بولے کہ اس سے میں بھی بے خبر تھا۔ ارے مجھے تو ان بچوں نے آگاہ کیا۔

من بدم غافل بشغل قال و قیل بود در باطن چنین رنجے ثقیل

یعنی میں تو بول چال کے شغل میں غافل تھا اور باطن میں یہ سخت مرض موجود تھا مولانا فرماتے ہیں کہ

چون بجد مشغول باشد آدمے او ز دید رنج خود باشد عمے

یعنی جب آدمی کسی کوشش میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اپنی تکلیف کے دیکھنے سے اندھا ہوتا ہے مطلب یہ کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی ضروری کام میں لگا ہوا ہوتا ہے تو اسکو تکلیف کی خبر نہیں ہوتی اب خواہ اس استاد کو ایسا نہ ہوا ہو مگر ایسا ہوا کرتا ہے آگے اسکی ایک نظیر پیش فرماتے ہیں کہ۔

از زنان مصر یوسف شد سمر کہ ز مشغولے بشد زایشان خبر

یعنی زنان اور یوسف سے قصہ ہوگیا ہے کہ مشغولی کی وجہ سے ان سے خبرداری جاتی رہی۔

پارہ پارہ کردہ ساعدہائے خویش روح والہ کہ نہ پس بیند نہ پیش

یعنی روح عاشق نے پہونچے ٹکڑے ٹکڑے کرلئے کہ نہ آگے دیکھا اور نہ پیچھے۔ یعنی دیکھو چونکہ وہ دوسری طرف مشغول ہوگئیں لہذا انکو کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ آگے اسکی ایک دوسری مثال فرماتے ہیں کہ۔

اے بسا مرد شجاع اندر حراب ٭ کہ ببر و دست و پایش را ضراب

یعنی بہت سے مرد شجاع لڑائیون میں ہوتے ہیں کہ شمشیر زنی انکے دست و پاؤن کاٹ ڈالتی ہے۔

او ہمان دست آورد در گیر و دار ٭ بر گمان آنکہ ہست او برقرار

یعنی وہ اسی ہاتھ کو دار و گیر میں رکھتا ہے اس گمان پر کہ وہ برقرار ہے۔ یعنی وہ اسی مقطوع ہاتھ سے کام لیتا رہتا ہے اور اسکو اُسکے کٹ جانے کی خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ اسکو برقرار سمجھتا ہی حالانکہ وہ مقطوع ہوتا ہے۔

خود نہ بیند دست رفتہ در ضرر ٭ خون ازو بسیار رفتہ بے خبر

یعنی وہ خود نہیں دیکھتا ہے اور ہاتھ گیا ہوا ہے ضرر میں۔ اور اُس سے بہت خون گیا ہے اور وہ بے خبر ہے اور یہ بات عجب نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا مشاہدہ ہوا ہے کہ لڑائیون میں سر کٹ گیا ہی اور تلوار ہاتھ میں موجود ہے اور اسکو چلا رہے ہیں اور تھوڑی دیر بعد گر جاتے ہیں اصل سبب تو حکم حق ہے مگر سبب ظاہری یہ ہی کہ قاعدہ ہی مقتول کی رُوح ایک دم سے نہیں نکلتی بلکہ رفتہ رفتہ نکلتی ہی اسلئے کہ دیکھو مقتول بہت دیر تک تڑپتا ہی تو معلوم ہوا کہ رُوح فوراً نہیں نکلتی۔ جب یہ معلوم ہوا تو ایک شخص جو لڑائی میں تلوار چلا رہا ہی اور اسکے ہاتھ کو ایک کام کرنیکی مشق ہو گئی ہی اُسکا گلا کٹ گیا مگر اُسکو جوش میں اس امر کی خبر نہ ہوئی کہ میرا گلا کٹا ہی اور رُوح نکلی رفتہ رفتہ تو جسوقت تک اُسکے بدن میں رُوح رہی اسوقت تک اسکا ہاتھ موافق اس مشق کے جو اُسے دیر سے ہوئی ہی جب رُوح نکل گئی تو وہ لاش گر جاتی ہی مولانا اس سے ایک اور بات نکالتے ہیں جسکو آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

تا بدانی کہ تن آمد چون لبیس ٭ روح چو لابس لباسے را ملیس

روح را توحید اللہ خوشتر ست | غیر ظاہر دست و پائے دیگر است
دست و پا در خواب بینی ایتلاف | آن حقیقت دان مدانش از گزاف
آن توئے کہ بے بدن داری بدن | پس مترس از جسم جان بیرون شدن
روح دارد بے بدن بس کاروبار | مرغ باشد در قفس بس بے قرار
باش تا مرغ از قفس آید برون | تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبون
یک حکایت گویمت گر بشنوی | در حقیقت بر حقیقت بگروی

قصہ یوسف و زنان مصر اور حالت جنگ سے تم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ تن کوئی چیز نہیں بلکہ وہ روح کیلئے مثل لباس کے ہے اور اصل روح ہے پس تم کو کوشش کے ساتھ روح کو تلاش کرنا چاہیئے یعنی اسکی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے اور فکر تن بالکل چھوڑ دینا چاہیئے الاجبکہ اصلاح روح کیلئے اصلاح تن کی ضرورت ہو اسوقت اصلاح تن میں مصروف ہونا مضائقہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت اشتغال باصلاح روح ہے نہ کہ باصلاح تن۔ اصلاح تن کی فکر سے ممانعت اسلئے ہے کہ روح کیلئے تن کی چندان ضرورت نہیں۔ اسکے لئے تو توحید حق سبحانہ بہت اچھی چیز ہے۔ بس تم توحید کو اسپر غالب کرو اگر ایسا کرنے میں یہ ظاہری ہاتھ پاؤن جائیں بلا سے جائیں کیونکہ اسکے لئے ایک تن مثالی اس جسم ظاہر کے علاوہ ہے کہ ضرورت کے وقت اسکو وہی کام دے سکتا ہے جو یہ جسم دیتا ہے اگر تن مثالی تمہاری سمجھ میں آیا ہو اور ان ہاتھ پاؤن کے علاوہ اور ہاتھ پاؤن میں کچھ شک ہو تو یوں سمجھو کہ تم خواب میں ہاتھ پاؤں جڑے ہوئے دیکھتے ہو وہ ہاتھ پاؤن واقعی ہوتے ہیں محض تخیل نہیں ہوتا۔

پس معلوم ہوا کہ اگر تمھارے لیئے یہ بدن نہ بھی ہو تب بھی ایک بدن تمھارے لیئے ہے لہذا اگر اِس جسم سے جان نکل جاوے تو ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے یا د رکھو کہ روح کا یہی کام نہیں کہ وہ تدبیر بدن میں مصروف رہے بلکہ اِس کے علاوہ اوسکو اور بھی کام ہیں جنکو وہ اس میں مشغولی کے سبب نہیں کرسکتی۔ پس تم خیال کرو کہ وہ ان کے لیے کسقدر بیقرار ہوگی۔ دیکھو جانور پنجرہ کے اندر کسقدر بیقرار ہوتا ہے تم اسکو سمجھو اور اسکو اِس قید سے رہا کرو۔ تم اسکو لغو نہ سمجھنا۔ ذرا اس پنجرہ سے اسکو نکلنے تو دو پھر دیکھنا کہ وہ اسکی طرف رُخ بھی نکرے گی اور اسقدر بلند پروازی کرے گی کہ رفعت ہفت آسمان اِس کے آگے ہیچ ہوگی۔ اگر فی الحقیقت تمکو حقیقت کیطرف میلان ہے اور تم سننا چاہتے ہو تو میں تمسے ایک حکایت بیان کرتا ہوں جس سے تمکو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ جسم کوئی چیز نہیں اور روح کے لیئے علاوہ ان ہاتھ پاؤں کے اور ہاتھ پاؤں بھی ہیں۔

شرح شبیری

بیان میں اسکے کہ تن روح کے لیئے مثل ایک لباس کے ہے اور یہ ظاہری ہاتھ روح کے ہاتھ کی آستین ہے اور یہہ ظاہری پاؤں روح کے پاؤں کا موزہ ہے۔

تا بدانی کہ تن آمد چون لبیس ۔۔۔ رو بجو لابس لباسے را ملیس

(یعنی تاکہ تم جان لو کہ تن ایک لباس ہے تو جاؤ لابس کو تلاش کرو لباس کو مت چاٹو

مطلب یہ کہ یہ امور جو اکثر پیش آتے ہیں اس لئے ہیں کہ بدن روح کا لباس ہے اور اصل فاعل بدن میں روح ہے تو اگرچہ جسم میں نقصان آجاتا ہے مگر چونکہ روح سالم رہتی ہے اس لئے وہ اپنا کام کرتی رہتی ہے تو اب تمکو چاہیئے کہ روح کے مقتضیات پر عمل کرو اور اقتضائے جسمانی کو ترک کرو۔

روح را توحید اللہ خوشتر است — غیر ظاہر دست و پائے دیگر است

یعنی روح کے لئے توحید حق بہتر ہے اور غیر ظاہر کے دست و پا دوسرے ہیں مطلب یہ کہ روح کا مقتضا تو توحید ہے اور قرب حق ہے اوسکو طلب کرو اور اوس کے ہاتھ پاؤں بھی دوسرے ہیں۔ جن سے کہ قرب حق حاصل ہوتا ہے آگے ان دست و پائے روحانی کے سوا ان دست و پا ظاہری کے ہونے کی ایک نظیر لاتے ہیں۔ کہ

دست و پا در خواب بینی ایتلاف — آن حقیقت دان مدانش از گزاف

یعنی خواب میں دست و پا اور ملاپ دیکھتے ہو تو اسکو حقیقت جانو اوسکو گزاف مت سمجھو۔ مطلب کہ خواب میں تم اپنی صورت کو خود دیکھتے ہو کہ کہیں جارہے ہیں تو اوسمیں تم ہاتھ پاؤں بھی دوسرے دیکھتے ہو تو مولانا فرماتے ہیں کہ وہ کوئی اور شے نہیں ہے بلکہ تمہارے ہی ہاتھ پاؤں ہیں۔

آن توئی کہ بے بدن داری بدن — پس مترس از جسم جان بیرون شدن

یعنی وہ تو ہی ہے کہ بے بدن ظاہری کے بدن رکھتا ہے بس تم جسم سے جان کے باہر ہو جانے سے ڈرو مت اسلئے کہ

روح دارد بے بدن بس کاروبار — مرغ باشد در قفس بس بے قرار

یعنی روح بے بدن کے بھی بہت سے کام کرتی ہے اور مرغ تو قفس میں بے قرار ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روح کے دست و پا ایسے ہیں کہ جنکو ان دست پا ظاہری کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ

وہ بے اِن کے بھی بہت سے کام کرتے ہیں اور اسکی مثال جسم کے اندر ایسی ہے کہ جیسے کہ کوئی جانور
قفس میں قید ہو تو وہ ہر گھڑی یہ چاہتا ہے کہ اس میں سے نکل جاؤں تو جب تمہاری روح
اِس جسم سے الگ ہو کر بہت سے کام کر سکتی ہے تو پھر تم اِس کے جسم سے نکل جانے سے گھبراتے
کیوں ہو اور خائف کیوں ہوتے ہو اگر نکل بھی گئی تو کیا ہے بلکہ جو کام یہ یہاں کرتی ہے
اِس کے بعد جب یہ نکل جاوے گی تو اپنا اصل مقصود اچھی طرح حاصل کرے گی اسی کو فرماتے ہیں کہ

باش تا مرغ از قفس آید برون ۔۔۔ تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبون

یعنی ذرا ٹھیرے رہو تاکہ یہ مرغ قفس سے باہر آجاوے تو اوسوقت تم ہفت چرخ کو اوسکے
آگے حقیر سمجھو گے اسلئے کہ روح تو مجرد ہے اور افلاک سب مادی ہیں تو اگرچہ علویات
میں سے ہیں مگر پھر بھی روح سے تو بڑھ نہیں سکتے۔ تو جب یہ اس عالمِ ناسوت سے
چھوٹ جاوے گی تو یقیناً آسمانوں وغیرہ سب سے بڑھ جاوے گی۔ اب یہاں یہ بات سمجھ
لینا چاہیئے کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ انسان کی روح دوسری صورت میں متمثل ہو سکتی
ہے۔ اور جسوقت کہ وہ کسی جسم ناسوتی میں متمثل ہوتی ہے اوس وقت اوس کے افعال و
خواص سب ویسے ہی ہوتے ہیں تو بعض مرتبہ تو خود جسکی روح ہے اوسی کی صورت میں
متمثل ہوتی ہے اور بعض مرتبہ اور صورتوں میں بھی متمثل ہوتی ہے اور اِس جسم کو روح
کا جسم مثالی بولتے ہیں اِس جسم پر احکام وغیرہ متوجہ نہیں ہوتے بلکہ احکام کا مکلف
تو یہ جسم ناسوتی ہی ہے جسم مثالی صرف دوسری صورت اوس روح کی ہوتی ہے اور اسکے
قصے سینکڑوں موجود ہیں کہ ایک شخص کئی کئی صورتوں میں ایک وقت میں موجود ہوئے
بعض بزرگ ایک ہی وقت میں اپنے گھر رہے اور اوسی وقت اونکو مکہ میں حج کرتے ہوئے
پایا گیا۔ لیکن اب یہ محقق کا کام ہے کہ جسم ناسوتی اور جسم مثالی کے احکام میں فرق کرے
اِس لیے کہ جس کی روح متمثل ہوئی ہے اوسکو تو خبر ہے کہ وہ جسم مثالی ہے اور یہ جسم ناسوتی
ہے لہذا اوسکو چاہیئے کہ احکام نماز وغیرہ تو جسم ناسوتی پر جاری کرے اور جسم مثالی کو
اوسکی جگہ رکھے۔ حکایت کتابوں میں ہے کہ ایک محقق بزرگ ایک دوسرے بزرگ سے

ملنے گئے تو یہ زائر تو محقق تھے اور وہ مزور محقق نہ تھے بلکہ صاحب خوارق تھے اونکو باتیں کرتے دیر ہوگئی اور نماز کا وقت آگیا یہ زائر وضو وغیرہ کئے بیٹھے تھے حتے کہ نماز کھڑی ہوئی تو اون زائر صاحب نے مزور سے کہا کہ چلئے نماز پڑہیئے تو اون مزور نے کہا کہ سامنے دیکھئے دیکھا تو وہی بزرگ صف میں موجود ہیں مگر چونکہ یہ زائر محقق تھے سمجھے اور بولے کہ جناب وہ آپ کا جسم مثالی ہے اور آپ کا جسم ناسوتی یہ ہے اور نماز جسم ناسوتی پر فرض ہے جسم مثالی پر نہیں ہے لہذا آپ یہ کریں کہ اس جسم ناسوتی کو تو وہاں کھڑا کیجئے اور اوس مثالی کو یہاں بٹھاتے چونکہ معاند تو نہ تھے بلکہ غلطی میں تھے اِس لیے فوراً سمجھ گئے اور اونکو دعائیں دیں کہ میں تو ایک مدت سے اس غلطی میں مبتلا تھا خدا اتکو جزائے خیر دے کہ تمنے اِس غلطی سے مجھے نکالا۔ اور اوس کے بعد وضو کر کے نماز میں شریک ہوئے اور ایک بزرگ کا قصہ بندہ نے پہلے بھی لکھا ہے کہ اون کو ایک مرتبہ محتسب گرفتار کرنے گیا تو سامنے سے دیکھا کہ وہی صورتیں ستر آرہی ہیں اور انہوں نے کہا کہ میاں محتسب ان میں سے پہچان لو کہ تمہارا مجرم کون ہے تو یہ اونکی روح ہی تھی۔ جو کہ ستر شکلوں میں متمثل ہوگئی تھی۔ تو ایسے بہت سے قصے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روح بھی دوسرے جسم میں متمثل ہوسکتی ہے اور اوسوقت وہ سارے کام ناسوتی جیسے ہی کرے گی تو دیکھو معلوم ہوا کہ روح کے لیے سوا ان ہاتھ پاؤں کے اور قوی بھی ہیں خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں۔

یک حکایت گوئمت گر بشنوی در حقیقت بر حقیقت بگروی

یعنی میں تم سے ایک حکایت کہوں اگر تم سنو تو حقیقت میں حقیقت پر پہونچ جاؤ گے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک بزرگ کے دہوکہ سے چوروں کے ساتھ ہاتھ کٹ گیا تھا تو ایک مرتبہ اونکو خلوت میں ایک شخص نے دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے زنبیل بُن رہے ہیں تو اوسکو تعجب ہوا تو بات یہ تھی کہ اون کا وہ ہاتھ تو کٹ گیا تھا مگر بوقت ضرورت حق تعالے اون کے لیئے دوسرا ہاتھ روحانی متمثل فرما دیتے تھے کہ وہ مثل ناسوتی کے کام دیتا تھا۔ آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

بود درویشی بکهساری مقیم ۔ خلوت او را بود همخواب و ندیم

چون ز خالق میرسید اوراشمول ۔ بود از انفاس مرد و زن ملول

همچنانکه سهل شد ما را حضر ۔ سهل شد هم قوم دیگر را سفر

آنچنانکه عاشقی بر سروری ۔ عاشق ست آن خواجه بر آهنگری

هر کسی را بهر کاری ساختند ۔ میل آنرا در دلش انداختند

دست و پا بی میل جنبان کی شود ۔ خار و خس بی آب و بادی کی رود

گر ببینی میل خود سوی سما ۔ پر دولت بر کشا همچون هما

ور ببینی میل خود سوی زمین ۔ نوحه میکن هیچ منشین از حنین

عاقلان خود نوحه ها پیشین کنند ۔ جاهلان آخر بسر بر میزنند

ز ابتدای کار آخر را ببین ۔ تا نباشی تو پشیمان یوم دین

آن یکی آمد به پیش زرگری — که ترازو ده که بر سنجم زری

گفت رو خواجه مرا غربال نیست — گفت میزان ده برین تسخر مایست

گفت جاروبی ندارم در دکان — گفت بس بس این مضاحک را بمان

من ترازوئی که میخواهم بده — خویشتن را کر مکن هر سو مجه

گفت بشنیدم سخن کر نیستم — تا نپنداری که بی معنیستم

این شنیدم لیک پیری مرتعش — دست لرزان جسم تو نامنتعش

فهم کردم لیک پیری ناتوان — دستت از ضعف است لرزان این زمان

وان زر تو هم قراضه خورد و مرد — دست لرزد پس بریزد زر خرد

پس بگوئی خواجه جاروبی بیار — تا بجویم زر خود را از غبار

چون بروبی خاک را جمع آوری — گوئیم غربال خواهم ای جری

تا به بیزم خاک و زر جویم ازان — کی بود غربال ما را در دکان

من ز اول دیدم آخر را تمام — جائی دیگر رو ازینجا والسلام

هر که اول بین بود اعمی بود — هر که آخر بین چه با معنی بود

هر که اول بنگرد پایان کار — اندر آخر او نگردد شرمسار

حکم چون بر عاقبت اندیشی است — بادشاه بندهٔ درویشی است

عاقبت بینان بوند اهل رشاد — درنگر والله اعلم بالسداد

این سخن پایان ندارد راز گوی — قصهٔ آن مرد زاهد باز گوی

کن تمام اکنون حدیث شیخ فرد — کاندران کهسار بودش خواب و خورد

ایک فقیر پہاڑوں میں رہتے تھے۔ خلوت ہی اونکی بیوی تھی۔ اور وہی اونکی جلیس تھی۔ غرضکہ خلوت کے سوا کچھ نہ تھا۔ چونکہ حق سبحانہٗ اُنکو اپنی آغوش رحمت میں لیے ہوئے تھے۔ اسلئے آدمیوں سے گھبراتے تھے۔ تمکو یہ امر بہت دشوار معلوم ہوگا۔ لیکن حالات مختلف ہیں اور ہر ایک کے لیے ایک خاص حالت آسان ہے۔ مثلاً تم کو اگر وطن میں رہنا آسان ہے تو کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا گھر رہنے سے جی گھبراتا ہے اون کے لیے سفر آسان ہے نیز جسطرح تم سرداری پر عاشق ہو وہ سر آہنگری پر عاشق ہے۔ غرضکہ ہر ایک کو ایک خاص کام کے لئے بنایا گیا ہے اور اوس کے لئے اسکو آسان کر دیا گیا ہے۔ اور اسکی رغبت اوس کے جی میں ڈالدیگئی ہے اور رغبت ہی کا سارا کھیل ہے۔ چنانچہ بدون رغبت کے ہاتھ پاؤں کو حرکت ہی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اونکی مثال ایسی ہے جیسے خس و خاشاک اور رغبت کی مثال ایسی ہے جیسے پانی یا ہوا۔ پس جس طرح خس و خاشاک کو بدون پانی یا ہوا کے حرکت نہیں ہوسکتی۔ یوں ہی ہاتھ پاؤںکو بدون رغبت کے جنبش نہیں ہوتی۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ رغبتیں مختلف ہیں۔

کبھی تقرب حق سبحانہ کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی اشتغال بعالم ناسوت کی۔ اب اگر تم اپنے اندر تقرب حق کی رغبت پاؤ تو عین سعادت ہے۔ خوب دولت سعادت سے مالامال ہو۔ اور اگر ناسوت اور شہوات کی طرف میلان ہو تو خوب روؤ اور رونے سے دم نہ لو۔ اور حق سبحانہ سے بگریہ وزاری تبدیل رغبت کی دعا کرو۔ کیونکہ رونا تو ایسے شخص کے لئے ضرور ہے۔ خواہ دنیا میں رولے یا آخرت میں روئے۔ عقلمندوں کا یہ کام ہے کہ پہلے ہی رولیتے ہیں اور نادان لوگ آخر میں روئیں گے اور سر پیٹیں گے جبکہ تلافی کا وقت نہ رہے گا۔ پس ابتدا ہی میں انتہا پر نظر ڈال لیتا کہ آخرت میں پشیمانی نہ ہو اب ہم پیش بینی کا ایک قصہ سناتے ہیں ایک شخص ایک سنار کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ذرا مجھے ترازو دیدے۔ میں سونا تولونگا اوس نے کہا جناب میرے پاس چھلنی نہیں ہے اوس نے کہا مذاق میں بات کو کیوں اڑاتے ہو ترازو دیدو اسپر اوس نے کہا کہ میری دوکان پر جھاڑو نہیں ہے اوس نے کہا بسکر اوران دل لگیوں کو رہنے دے میں ترازو مانگتا ہوں مجھے ترازو دیدے اور اپنے کو بہرہ نہ بنا اور ادہر ادہر مت اوچھل۔ اوس نے کہا کہ میں بہرا نہیں ہوں میں نے آپ کی بات سُن لی آپ مجھے لغو آدمی نہ خیال کریں۔ میں نے آپ کی بات تو سُن لی اور سمجھ بھی لی۔ لیکن آپ بڈھے آدمی ہیں بدن میں آپ کے رعشہ ہے۔ ہاتھ آپ کے کانپتے ہیں جسم میں کمزوری ہے سونا برادہ شدہ ہے آپ کا ہاتھ کانپے گا اور وہ برادہ گر پڑے گا۔ پھر آپ کہیں گے کہ جناب ذرا جھاڑو دیجئے کہ میں مٹی میں سے اپنا سونا نکال لوں اس کے بعد آپ جھاڑو دیں گے اور مٹی کو جمع کریں گے۔ پھر کہیں گے کہ مجھے چھلنی کی ضرورت ہے ذرا چھلنی بھی دیدیجئے اور میری دوکان میں چھلنی ہے نہیں۔ لہذا میں نے آغاز ہی سے انجام کو دیکھ لیا آپ کہیں اور تشریف لیجائیے والسلام۔

پس سمجھو کہ جو شخص صرف آغاز کو دیکھتا ہے وہ اندھا ہے اور جو آخر کو دیکھے۔ وہ نہایت خوبی کا آدمی ہے اور جو شخص ابتدا ہی میں انتہا کو دیکھے وہ انتہا میں شرمندہ نہ ہوگا۔ جبکہ ممدوحیت اور مذمومیت کا حکم عاقبت اندیشی پر مبنی ٹھیرا تو ثابت ہوا کہ بادشاہت درویشی کی لونڈی ہے کیونکہ بادشاہت میں آغاز بینی ہے اور درویشی میں انجام بینی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ انجام بیں ہیں اون کی روش ٹھیک ہے خوب سمجھ لو۔ اور فی الواقع حق سبحانہ ہی صحت سے خوب واقف ہیں ہم کو جو کچھ معلوم تھا وہ بیان کر دیا خیر یہ گفتگو کبھی ختم ہی نہ ہوگی اب اصل راز بیان کرنا چاہیئے اور پھر زاہد کا قصہ بیان کرنا چاہیئے اور اوس یکتائے زمان شیخ کا واقعہ بیان کرنا چاہیئے جو کہسار ہی میں سوتا تھا اور وہیں کھاتا تھا۔

شرح شبیری

حکایت اوس درویش کی کہ اوسنے پہاڑ میں خلوت اختیار کی تھی اور خلوت اور انقطاع عن الخلق کی حلاوت بدل اور ذکر اس منقبت میں داخل ہونے کا کہ انا جلیس من ذکرنی و انیس من استانس بی ۔

گر با ہمہ چوں بے منی بے ہمہ
ور بے ہمہ چو با منی با ہمہ

بود درویشے بکہسارے مقیم خلوت اورا بود ہمخواب و ندیم

یعنی ایک درویش ایک پہاڑ میں مقیم تھا اور اوس کے لیئے خلوت ہی ہمخواب اور ندیم تھی ✦

چون ز خالق مے رسید ور اشمول   بود از انفاس مرد و زن ملول

یعنی چونکہ خالق سے اوسکو شراب (محبت) ملتی تھی تو وہ مرد و زن کے انفاس سے ملول تھا
مطلب یہ کہ چونکہ اوسکو حُب حق نصیب تھا لہذا وہ مخلوق کے اختلاط سے پریشان ہوتا تھا مولانا
آگے حکایت سے دوسرے مضمون کیطرف انتقال فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنان کہ سہل شد ما را حضر   سہل شد ہم قوم دیگر را سفر

یعنی جیسا کہ ہمکو ایک جگہ رہنا سہل ہے اسیطرح دوسرے لوگوں کو سفر سہل ہے یہ ایک مثال ہے
مقصود اس مثال سے یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک کو سہل اور دوسرے کو مشکل۔
تو اس فقیر کو تو خلوت سہل تھی مگر ہمکو مشکل ہوتی ہے آگے اور اسکی مثال ہے کہ۔

انچنان کہ عاشقی بر سروری   عاشق است آنخواجہ بر آہنگری

یعنی جیسے تم سرداری پر عاشق ہو اسی طرح ایک دوسرا آدمی آہنگری پر عاشق ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل آنرا در دلش انداختند

یعنی ہر شخص کو کارکنان قضا و قدر نے ایک کام کے لیئے بنایا ہے اور اوس کے دلیں اوسکی
رغبت ڈال دی ہے (پس سب لوگ اسیطرح کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اونکو وہی سہل ہے۔
کوئی سنار ہے تو کوئی لوہار۔ کوئی بڑھی ہے تو کوئی معمار۔ علی ہذا)۔

دست و پا بے میل جنبان کے شود   خار و خس بے آب و بادے کے رود

(یعنی) ہاتھ پاؤں بے رغبت کے کب ہلتے ہیں اور خار و خس بے پانی اور ہوا کے کب چلتے ہیں
مطلب یہ ہے کہ دیکھو جسقدر دنیا میں کام ہو رہے ہیں ہاتھ پاؤں سے تو ہاتھ پاؤں تو جب ہی
چلتے ہیں جب اِن کے لیے کوئی محرک ہو۔ جیسے کہ خار و خس کے لیئے پانی یا ہوا محرک ہوا کرتی ہے تو

پس مشترک اِن کے لیے وہی اقتضا نفس ہے کہ نفس اوسکو کرنا چاہتا ہے تو دست وپا اوس کے تابع ہوکر اوس کام کو کرنے لگتے ہیں جب معلوم ہوا کہ جو کام ہوتا ہے وہ رغبت اور میلان سے ہوا کرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ

گر بہ بینی میل خود سوئے سما　　　پر دولت بر کشا ہمچون ہما

یعنی اگر تم اپنا میلان آسمان کی طرف دیکھو تو پر دولت کو ہما کی طرح کھول دو۔ مطلب یہ کہ اگر دیکھو کہ تمھارا میلان طبعی عالم غیب کی طرف ہے تب تو خوب عروج کرو۔ اور کوشش کرکے ترقی حاصل کرو۔

ور بہ بینی میل خود سوئے زمین　　　نوحہ میکن ہیچ منشیں از حنین

یعنی اور اگر تم اپنا میلان زمین کی طرف دیکھو تو نوحہ کرتے رہو اور گریہ وزاری سے مت بیٹھو مطلب یہ کہ اگر عالم سفلی کیطرف تمہارا میلان ہو تو بس پھر تو سر پکڑکر رویا کرو۔ اور آہ وزاری کیا کرو

عاقلان خود نوحہ ہا پیشین کنند　　　جاہلاں آخر بسر برمے زنند

یعنی عاقل تو خود پہلے ہی سے نوحہ کرتے ہیں اور جاہل آخر میں سر پیٹتے ہیں یعنی جو عاقل ہیں وہ تو ہر وقت حق تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرتے رہتے ہیں تو وہ اون کے کام آتی ہے اور جو جاہل ہیں وہ بعد کو سر پیٹا کرتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ز ابتدائے کار آخر را بہ بین　　　تا نباشی تو پشیمان یوم دین

یعنی ابتدا ءِ کار سے انجام کو دیکھ لو تاکہ قیامت میں پشیمانی نہو۔ یعنی اگر اول ہی سے دیکھ لوگے تو پھر انشاء اللہ نافرمانی صادر نہوگی اور سمجھوگے کہ اُسکا بُرا انجام ہے تو اُسکو ترک کردوگے آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کو اول ہی سے سوچ لینا چاہیئے۔

ایک سونار کا انجام کار کو دیکھ لینا اور ترازو مانگنے والے سے اوسکے موافق باتیں کرنا

آن یکے آمد بہ پیش زرگرے ‌‌‌‌‌‌ کہ ترازو دہ کہ سنجم زرّے

یعنی۔ ایک شخص کسی سونار کے پاس آیا کہ ترازو (کانٹا) دیدے میں کچھ سونا تولونگا۔

گفت رو خواجہ مرا غربال نیست ‌‌‌‌‌‌ گفت میزان دہ برین تسخر مایست

یعنی سونار نے کہا کہ جناب جائیے میرے پاس چھلنی نہیں ہے تو وہ شخص بولا کہ ترازو دو۔ اور اس تمسخر پر مت ٹھیرو۔ یعنی اوس شخص نے کہا کہ میاں مسخراپن مت کرو ذرا ترازو دیدو۔

گفت جاروبے نہ دارم بر دکان ‌‌‌‌‌‌ گفت بس بس این مضاحک را بمان

یعنی سونار نے کہا کہ میری دوکان پر جھاڑو نہیں ہے تو وہ شخص بولا کہ بس بس ان مسخرہ پنونکو رہنے دو

من ترازوے کہ میخواہم بدہ ‌‌‌‌‌‌ خویشتن را کر مکن ہر سو مجہ

یعنی میں تو ترازو مانگتا ہوں وہ دیدے اپنے کو بہرا مت بنا اور ہر طرف مت جا

گفت بشنیدم سخن کر نیستم ‌‌‌‌‌‌ تا نہ پنداری کہ بے معنیستم

یعنی سونار نے کہا کہ میں نے بات سن لی ہے میں بہرا نہیں ہوں اور یہ ہرگز مت سمجھنا کہ میں بے معنی ہوں (بلکہ)

این شنیدم لیک پیری مرتعش ‌‌‌‌‌‌ دست لرزان جسم تو نا منتعش

یعنی میں نے یہ تو سن لیا لیکن تو بڈھا ہے ہاتھ پیر کانپنے والا ہاتھ لرزان ہے اور جسم تیرا بے قابو ہو

فہم کردم لیک پیری ناتوان دستت از ضعف است لرزان نہان

یعنی میں نے سمجھ لیا لیکن تو بڈھا ہے اور ہاتھ تیرا ہر وقت ضعف کیوجہ سے کانپتا ہے۔

وان زرِ تو ہم قُراضہ خورد و مرد دست لرزد پس بریزد زر خورد

یعنی وہ تیرا سونا بھی ریزہ ریزہ ہے تو تیرا ہاتھ کانپے گا اور وہ زر خورد گر جاوے گا۔

پس بگوئے خواجہ جاروبے بیار تا بجویم زر خود را از غبار

یعنی پھر تو کہیگا کہ میاں ذرا جھاڑو لانا تاکہ میں غبار میں سے اپنا سونا تلاش کرلوں۔

چون بروبی خاک را جمع آوری گوئیم غربال خواہم ای جری

یعنی جب تو جھاڑو دیگا تو خاک کو جمع کرے گا اور مجھ سے کہیگا کہ میاں مجھے چھلنی کی ضرورت ہے

تا بہ بیزم خاک و زر جویم ازان کے بود غربال ما را در دکان

یعنی تاکہ میں خاک کو چھانکر اوسمیں سے سونا تلاش کرلوں تو ہماری دکان میں چلنی کہاں ہے۔

من ز اول دیدم آخر را تمام جائے دیگر رو ازینجا والسلام

یعنی میں نے اول ہی آخر کو پوری طرح دیکھ لیا تھا۔ (لہذا) تو کہیں اور چلا جا والسلام مولٰنا فرماتے ہیں کہ

ہر کہ اول بین بود اعمے بود ہر کہ آخر بین چہ با معنے بود

یعنی جو شخص کہ صرف اول بین ہو وہ اندھا ہوتا ہے اور جو کہ آخر بین ہو وہ کیسا با معنے ہوتا ہے+

ہر کہ اول بنگرد پایان کار   اندر آخر او نگردد شرمسار

یعنی جو شخص کہ اول ہی انجام کار کو دیکھ لے وہ آخر میں شرمسار نہیں ہوا کرتا۔

حکم چون بر عاقبت اندیشی است   بادشاہی بندۂ درویشی است

یعنی حکم جب عاقبت اندیشی کا ہے تو بادشاہی غلام درویشی کی ہے مطلب یہ کہ دیکھو بادشاہی کا انجام کیا ہے مفلسی و درویشی کہ قبر میں جاکر کچھ بھی پاس نہوگا اور باعتبار انجام کا ہے اور وہی اصل ہے اور یہ حالت ابتدائی تابع ہے تو بس بادشاہی درویشی کے تابع ہوئی۔ اور غلام بھی آقا کا تابع ہوا کرتا ہے۔ لہذا بادشاہی درویشی کی غلام ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ

عاقبت بینان بوند اہل رشاد   در نگر واللہ اعلم بالسداد

یعنی اہل رشاد ہی عاقبت بیں ہوتے ہیں تم آپ میں غور کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اہل اللہ و اہل رشاد ہی آخیر بیں ہیں کہ اون کی نظر انجام پر ہے تب تو اس دنیا کو ترک کر کے عاقبت کو اختیار کیا ہے لہذا چاہیئے کہ ہمیشہ انجام پر نظر کر کے جسکا انجام اچھا ہو اوسکو اختیار کرو اور دوسرے کو ترک کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد راز گوی   قصۂ آن مرد زاہد باز گوی

یعنی یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی تم راز کو بیان کرو اور اوس مرد زاہد کا قصہ پھر کہو۔

کن تمام اکنون حدیث شیخ فرد   کاندران کہسار بودش خواب و خورد

یعنی اب تم اوس شیخ یکتا کی بات کو پورا کرو جسکی کہ خواب و خورد اوسی پہاڑ میں تھی۔

شرح حبیبی

اندران کہ بود اشجار و ثمار — سیب و امرود و انار و بے شمار

قوت آن درویش بود آن میوہا — غیر آن چیزے نخوردے دائما

گفت آن درویش یارب با تو من — عہد کردم زین نچینم در زمن

خود نچینم میوہ را در کل حین — نیز غیرے را نگویم کہ بچین

جز ازان میوہ کہ باد اندازدش — من نچینم از درخت منتعش

مدتے بر نذر خود بودش وفا — تا در آمد امتحانات خدا

زین سبب فرمودہ استثنا کنید — گر خدا خواہد بہ پیمان بر زنید

زانکہ حکم کار در دست من است — اختیار جملگان پست من است

ہر زمان دل را دگر میلے دہم — ہر زمان بر دل دگر داغے نہم

کل اصباح لنا شان جدید — کل شیٔ عن مرادی لایحید

در حدیث آمد که دل ہمچون پریست ۔ در بیابانی اسیر صرصریست

باد پر را ہر طرف راند گزاف ۔ گہ چپ و گہ راست با صد اختلاف

در حدیث دیگران دل دان چنان ۔ کآب جوشان ز آتش اندر قازغان

ہر زمان دل را دگر رائی بود ۔ آن نہ از وی لیک از جائی بود

پس چرا ایمن شوی بر رائی دل ۔ عہد بندی تا شوی آخر خجل

این ہم از تاثیر حکم ست و قدر ۔ چاہ می بینی و نتوانی حذر

نیست خود از مرغ پران این عجب ۔ کو نہ بیند دام و افتد در عطب

این عجب کہ دام بیند با وتد ۔ گر بخواہد ور نخواہد می فتد

چشم باز و گوش باز و دام پیش ۔ سوی دامی می پرد با پر خویش

بنگر اندر دلق مہتر زادۂ ۔ سر برہنہ در بلا افتادۂ

در ہوائی نابکاری سوختہ ۔ اقمشہ و املاک خود بفروختہ

خوار گشتہ در میان قوم خویش ۔ مرہمش نایاب و دل ریش از مریش

خان و مان رفته شده بدنام و خوار | کام دشمن سے رود ادبار زوار

زاهدے بیند بگوید اے کیا | همتے میدار از بهر خدا

کاندرین ادبار زشت افتاده ام | مال و زر و نعمت از کف داده ام

همتے تا بو که من زین وارهم | زین گل تیره بود که برجهم

این دعا میخواهد او از عام و خاص | کالخلاص والخلاص والخلاص

دست باز و پائے باز و بند نے | نے موکل بر سرش نے آهنے

از کدامین بند میجوئی خلاص | وز کدامین قید میخواهی مناص

بند تقدیر و قضائے مختفے | که نه بیند آن بجز ذات صفے

گرچه پیدا نیست آن در مکمن است | بدتر از زندان و بند آهن است

زانکه آهنگر مر آنرا بشکند | حفره گر هم خشت زندان بر کند

این عجب این بند پنهان گران | عاجز از تکسیر آن آهنگران

دیدن آن بند احمد را رسد | بر گلوئے بسته حبل من مسد

دید بر پشت عیال بولهب — تنگ هیزم گفت حمال الحطب

حبل و هیزم را جز آن چشمی ندید — که پدید آید بر وهر ناپدید

باقیانش جمله تاویلی کنند — کاین ز بیهوشیست ایشان هوشمند

لیک از تاثیر آن پشتش دوتو — گشته و نالان شده در پیش او

که دعائی همتی تا وارهم — تا ازین بند نهان بیرون جهم

آنکه داند این علامتها پدید — چون نداند او شقی را از سعید

داند و پوشد بامر ذو الجلال — که نداند کشف راز حق حلال

این سخن پایان ندارد آن فقیر — از مجاعت شد زبون و تن اسیر

پنج روز آن باد امرودی نریخت — ز آتش جوعش صبوری می گریخت

بر سر شاخی مرودی چند دید — باز صبری کرد و خود را واکشید

باد آمد شاخ را سر زیر کرد — طبع را بر خوردن او چیره کرد

جوع و ضعف و قوت جذب غذا — کرد زاهد را ز نذرش بیوفا

اوس پہاڑ میں درخت اور پھل امرود۔ انار سیب بکثرت تھے اور اُس فقیر کی غذا وہی میوے تھے اون کے علاوہ اور کوئی چیز نہ کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اوس نے حق سُبحانہ سے کہا کہ اے اللہ میں آج سے عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی میوہ نہ توڑوں گا۔ یعنی نہ خود توڑوں اور نہ کسی سے کہونگا کہ توڑ دے میں درخت سے میوہ نہ چینوں گا۔ بلکہ اون میوؤں کے جو ہوا سے گر جائیں ایک زمانہ تک اپنے عہد کو پورا کرتے رہے۔ آخر امتحانات خداوندی شروع ہوئے چونکہ دعوے پر امتحان ضروری ہے اور امتحان میں کامیابی نہایت کٹھن اور لوہے کے چنے ہیں اسی لیئے حق سُبحانہ نے باقتضائے رحمت ہمکو تعلیم فرمایا ہے کہ تم استثنا کر لیا کرو۔ یعنی ہر عہد کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کہہ لیا کرو کیونکہ حکومت میرے قبضہ میں ہے اور سب کے اختیارات میرے اختیار کے تحت میں ہیں۔ لہذا بدون میری مشیت کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ میں ہر وقت دل میں مختلف قسم کے میلان پیدا کرتا ہوں اور ہر وقت ولپر ایک نیا داغ رکھتا ہوں یعنی ایک ایسی خواہش پیدا کرتا ہوں جس کے حاصل نہونے سے اسے رنج ہو (یا یوں کہو کہ اسی مطلق رغبت پیدا کرنے کو داغ دینے سے تعبیر کیا۔ کیونکہ جس طرح داغ دینا ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے۔ یوں ہی رغبت پیدا کرنا بھی ایک تاثیر خاص ہے) غرض ہر وقت ہمارے لیے ایک نیا کام ہے اور کوئی شے میرے ارادہ سے متخلف نہیں ہوسکتی۔ بلکہ جو میں چاہتا ہوں فوراً ہو جاتی ہے۔

اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون حدیث میں آیا ہے کہ دل کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پر ہوا اور ایک میدان کے اندر آندھی کے قبضہ میں ہو کہ جسطرف وہ چاہتی ہے اسکو پلٹے دیتی ہے کبھی دائیں جانب پلٹتی ہے کبھی بائیں طرف اور اسی قسم کے اور سینکڑوں پلٹے دیتی ہے نیز دوسری حدیث میں آیا ہے (واللہ اعلم بالصحة) کہ دلکو ایسا سمجھو جیسے ایک دیگچہ ہو جس میں پانی جوش مار رہا ہو۔ کہ اس کے اندر بھی یوں ہی خیالات کا جوش ہوتا ہے اور ہر وقت اوس کی جداگانہ رائے ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ خود دل کا تصرف نہیں ہے بلکہ کوئی اور ذات ہے جو یہ گوناگوں خیالات پیدا کر رہی ہے جب تقلب و تغیر احوال کی یہ حالت ہے تو کون سی وجہ ہے کہ دل کے ایک خیال کی بنا پر آدمی مطمئن ہو جاوے اور سمجھ لے کہ بس یہی ہوگا اور یہ خیال کرکے حق سبحانہ سے

عہد کرے کہ میں یوں ہی کرونگا۔ اس کے خلاف نہ کروں گا اور آخر میں اوس کے پورا نہ ہوسکنے
کے سبب ندامت اٹھائے۔ اب مولانا پر غلبہ توحید سے سکر کی حالت طاری ہوتی ہے۔
اور فرماتے ہیں کہ یہ عہد کرنا بھی بحکم قضا و قدر ہی ہے اسمیں بھی آدمی پورے طور پر مختار
نہیں۔ اور اوسکو اختیار کامل حاصل نہیں کہ وہ عہد نہ کرے۔ اس لیے کہ ایسا ہوتا ہے کہ
مضرت آدمی کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ کوئی تعجب کی
بات نہیں کہ پرندہ جال نہ دیکھے اور ہلاکت میں پڑ جائے بلکہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ کھونٹ
ہیست جال دیکھ رہا ہے اور پھر خواہ مخواہ اور بالاضطرار اسمیں پھنس جاتا ہے آنکھیں
بھی کھلی ہوئی ہیں کان بھی کھلے ہوئے ہیں جال بھی نظر آرہا ہے اسپر بھی وہ خود اپنے
پروں سے اڑکر اوسمیں آپھنستا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات اپنے اوپر پورا اختیار
نہیں رکھتے اب انسان کی حالت سنو ایک رئیس زادہ ہے کہ گدڑی پہنے ہوئے ننگے سر ہے
مصیبت میں مبتلا ہے کسی چڑیل کی محبت میں جل رہا ہے جائداد اور گھر کا سامان سب
بک چکا ہے اپنے لوگوں میں نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ننگ خاندان سمجھا جاتا ہے
مطلوب کی یہ حالت ہے کہ اوس کے حصول کی کوئی صورت نہیں معشوق کے ظلم و ستم نے دل
و جگر چھلنی کر رکھے ہیں گھر بار سب تباہ ہو چکا ہے بدنامی و ذلت انتہا کو پہونچ گئی ہے ادھر
اوسکی محرومی و بدبختی مستمر ہے اودھر رقیب کا کام نکل رہا ہے غرضکہ وہ ان مصائب میں
مبتلا ہے اور یہ بھی نہیں کہ اوسکو اس کا احساس نہو نہیں وہ ان کا احساس بھی رکھتا ہے
اور جب کسی متقی کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ حضور خدا کے لیے میرے واسطے دعا فرمایئے کہ میں اس
مصیبت میں پھنس گیا ہوں مال و دولت نعمت سب کھو چکا ہوں۔ آپ توجہ فرمائیں کہ میں اس
مصیبت سے نجات پاؤں۔ ممکن ہے کہ آپکی دعا اور توجہ سے مجھے نجات ملجائے غرض وہ
ہر ایک سے یہی التجا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ؎

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں
چھڑا دے کوئی ہو ایسا خدا کے بندوں میں

یہ تو واقعہ ہے جو بکثرت ہوتا ہے اور جس کا انکار نا ممکن ہے حالانکہ اس کے ہاتھ بھی کھلے ہوئے
ہیں پاؤں بھی کھلے ہوئے ہیں اسکو کسی نے محبوس بھی نہیں کر رکھا ہے کوئی پہرہ بھی اسپر

قائم نہیں ہے۔ اوس کے گلے پر تلوار بھی رکھی ہوئی نہیں۔ اب اِس سے کوئی پوچھے کہ میاں تم کس پھندے سے نکلنا چاہتے ہو۔ اور کون سی بیڑی سے چھوٹنا چاہتے ہو۔ سمجھو کہ یہ وہی تقدیر و قضاء الٰہی کا مستور پھندا ہے جو لوگوں کو دکھلائی نہیں دیتا ہے بلکہ اسکو نفوس مقدسہ اہل اللہ ہی دیکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہر نہیں ہے بلکہ مستور ہے لیکن اوسکی گرفت جیلخانہ اور بیڑی سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ لوہار بیڑی کو کاٹ سکتا ہے اور کھودنے والا جیلخانہ کی اینٹیں اُکھیڑ سکتا ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس مخفی بیڑی اور مستور جیلخانہ کو نہ کوئی لوہار کاٹ سکتا ہے نہ کوئی کھودنے والا کھود سکتا ہے وہ پھندا احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے شخص کو دکھلائی دے سکتا ہے اور وہی زوجۂ ابولہب کے گلے میں مونج کی رسی بندہی ہوئی دیکھ سکتے ہیں جنہوں نے ابولہب کی بیوی کی پشت پر ایندھن کا گٹھا لدا ہوا دیکھ کر اوسے حمالۃ الحطب کہا تھا۔ اس رسی اور ایندھن کے گٹھے کو وہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو اکثر غیر محسوسات کو دیکھنے کی عادی ہو۔ دوسرے لوگ جن کی آنکھ ایسی نہیں وہ چونکہ اسکو دیکھتے نہیں اسلئے مجبوراً تاویل کرتے ہیں۔ اور نہ دیکھنا انکا بے موقع بھی نہیں۔ کیونکہ مشاہدہ غیر محسوسات تو ہوش ظاہری کو خیرباد کہنے سے ہو سکتا ہے اور وہ ایسے ہیں نہیں۔ بلکہ وہ ہوش والے ہیں۔ پھر مشاہدہ کیونکر ہو ہاں تو وہ پھندا اپنی ذات کے لحاظ سے ضرور غیر محسوس ہے۔ لیکن اپنے اثر کے اعتبار سے محسوس ہے کہ اوسکی تکلیف کے سبب وہ اہل اللہ کے سامنے جھکتا اور اون کے سامنے روتا پیٹتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کے لیے مجھے اِس بلا سے چھڑاؤ اور کوئی دعا یا توجہ ایسی کرو کہ میں نجات پا جاؤں۔ اور اس مخفی پھندے سے چھوٹ جاؤں۔ اس مقام پر ضمناً ایک اور ضروری امر پر بھی تنبیہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدیر کے پھندے کو دیکھ لینا ثابت ہے اور آپ کے طفیل اور آپ ہی کے اتباع کی برکت سے اہل اللہ کو بھی یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے جب یہ امر محقق ہے تو جو لوگ اون اشیاء کو جنکو لوگ علامات سے جانتے ہیں بعض اوقات عیاناً مشاہدہ کرتے ہیں وہ شقی اور سعید میں کیوں نہیں امتیاز کر سکتے نہیں بلکہ بعض اوقات اونکو اسکا بھی احساس و ادراک ہوتا ہے لیکن وہ جو ظاہر نہیں کرتے

اسکی وجہ یہ ہے کہ اونکو اظہار کا حکم نہیں ہوتا - اور وجہ اخفا یہ ہوتی ہے کہ وہ راز حق سبحانہ کے ظاہر کرنے کو جائز نہیں جانتے۔ خیر یہ گفتگو تو بہت طویل ہے - اب سنو کہ وہ فقیر بہوک سے بہت مضمحل ہوگیا اور حرکت کرنا بہی اوس کے لیے دشوار ہوگیا - وجہ یہ ہوئی کہ پانچ دن تک ہوا سے کوئی امرود بھی نگرا - اور خود توڑ نہ سکے اسلئے بہوکا رہنا پڑا - اور بہوک کی آگ اس قدر شعلہ زن ہوئی کہ ان سے صبر نہ ہوسکتا تہا - اتفاقاً اونہوں نے ایک شاخ کے اوپر چند امرود لگے ہوئے دیکھے خیر یہاں تک بہی صبر کیا اور توڑنے سے اجتناب کیا اس کے بعد یہ ہوا کہ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اوس نے شاخ کو نیچے جھکا دیا - اور اس طرح اونکی طبیعت کو اوسکے کہانے پر پوری طور پر مائل کردیا - اونکو بہوک لگی ہوئی تہی جسم میں بیحد ناتوانی تھی - اعضا کو جذب غذا کی شدید ضرورت تہی ان سب باتوں نے ملکر فقیر کا عہد توڑ دیا

شرح شبیری

اوس زاہد کوہی کے قصہ کا بقیہ جسنے کہ نذر کی تھی کہ پہاڑی میوہ درخت سے خود نہ توڑوں گا اور نہ کسی سے صراحۃً یا کنایۃً کہوں گا کہ توڑ دے بلکہ جسکو ہوا گرا دیگی اوسکو کھا لیا کرونگا

اندراں کہ بود اشجار و ثمار سیب و امرود و انار بے شمار

یعنی اوس پہاڑ میں اشجار و ثمار بہت تہے سیب اور امرود اور انار بے شمار تہے +

قوت آن درویش بود آن میوہا غیر آن چیزے نخوردے دائما

یعنی اوس درویش کی غذا وہ میوے ہی تہے اور وہ ہمیشہ سوا اوس چیز کے اور کچھ نہ کہاتا تہا

گفت آن درویش یارب با تو من عہد کردم زین نچینم در زمن

یعنی اوس درویش نے کہا کہ اے اللہ میں تیرے ساتہ عہد کرتا ہوں کہ اس میں سے کبھی توڑوں گا نہیں۔

خود نچینم میوہ در کل حین نیز غیرے را نگویم کہ بچیں

یعنی میں تو کبھی خود میوہ توڑوں گا نیز کسی غیر سے بہی نہ کہونگا کہ توڑ دے ؎

جز ازان میوہ کہ باد اندازدش نے ازان میوہ کہ شاخ افرازدش

یعنی سوائے اوس میوہ کے کہ ہوا اوسکو ڈالدے نہ وہ میوہ کہ شاخ اوسکو بلند کرے یعنی اوس نے نذر کی تہی کہ جو میوہ شاخ پر لگا ہوگا اوسکو تو توڑوں گا نہیں اور جسکو ہوا گرا دیگی اوسکو کہا لیا کرونگا۔

مدتے بر نذر خود بودش وفا تا در آمد امتحانات قضا

یعنی ایک مدت تک اوسکو اپنی نذر پر وفا رہی یہاں تک کہ قضا کے امتحانات آئے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

زین سبب فرمود استثنا کنید گر خدا خواہد بہ پیمان بر زنید

یعنی اسی سبب سے حق تعالی نے فرمایا ہے کہ استثنا (اس طرح) کرلیا کرو کہ اگر خدا چاہیگا تو تم عہد کو پہونچ جاؤ گے قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ لا تقولن لشیئ انی فاعل ذلک غدًا الا ان یشاء اللہ تو چونکہ اوس درویش نے اپنے عہد کے ساتہ انشاء اللہ

نہ کہا تھا آخر ٹوٹ گیا۔ اور مصرعہ ثانی میں گر خدا خواہد۔ ترجمہ ہے انشاء اللہ کا۔ اور ارشاد حق ہے کہ

زانکہ جملہ کار در دست من است　　اختیارِ جملگان پست من است

یعنی اسلئے کہ تمام کام میرے ہاتھ میں ہے اور سب کا اختیار میرے تابع ہے۔

ہر زمان دل را دگر میلے دہم　　ہر نفس بر دل دگر داغے نہم

یعنی ہر وقت دلکو ایک نئی رغبت دیتا ہوں اور ہر گھڑی دلپر ایک نیا داغ رکھتا ہوں۔

کلُ اصباح لنا شانٌ جدید　　کل شی عن مرادی لایحید

یعنی ہر صبح کو ہماری ایک نئی شان ہے اور ہر کوئی شے ہماری مراد سے تجاوز نہیں کر سکتی قرآن شریف میں ہے کہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَان اور ارشاد ہے کہ وَھُوَ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو بس جب یہ بات ہے تو ہمیشہ مدد حق تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے اور حق تعالےٰ ہی کو واسطہ ڈالنا چاہیئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

در حدیث آمد کہ دل ہمچون پر است　　در بیابانے اسیر صرصر است

یعنی حدیث میں ہے کہ دل مانند ایک پر کے ہے جو کہ بیابانیں ایک آندھی کا اسیر ہو۔

باد پر را ہر طرف راند گزاف　　گہ چپ گہ راست با صد اختلاف

یعنی ہوا پر کو ہر طرف بے ترتیب ڈال رہی ہے کبھی بائیں کبھی ڈائیں سو اختلاف کے ساتھ مطلب یہ حدیث میں ہیکہ قلب کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک پر میدانیں پڑا ہوا اور تند ہوائیں کہ یقلبہا ظہرا لبطن وبطنا لظہر۔ اوسکو واثناید ہا کرتی ہوں تو جس طرح کہ یہ پر ہواؤنکے تابع ہے تو اسیطرح بلکہ اس سے بہی زیادہ قلب حق تعالےٰ کے قبضہ میں ہے یقلبہا کیف یشاء لہذا چاہیئے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ ہی سے مدد مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک آگے فرماتے ہیں کہ

در حدیث دیگر این دل وان چنان | کاب جوشان ز آتش اندر قازغان

یعنی دوسری حدیث میں ہے کہ اِس دل کو ایسا جانو کہ جیسے کہ پانی آگ کیوجہ سے ہانڈی میں جوش مارتا ہو اس حدیث کو احیاء العلوم میں امام غزالی نے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے مثل القلب فی تقلبہ کالقدر اذا استجمعت غلیانا۔

ہر زمان دل را دگر رائے بود | آن نہ از وے لیک از جائے بود

یعنی ہر وقت دل کی ایک نئی حالت ہوتی ہے اور وہ اوسکی طرف سے نہیں بلکہ کسی اور جگہ سے ہوتی ہے۔

پس چرا ایمن شوی بر رائے دل | عہد بندی تا شوی آخر خجل

یعنی پس دل کی رائے پر کس سئے بے خوف ہوجاتے ہو اور عہد باندھ لیتے ہو یہاں تک کہ شرمندہ ہوتے ہو۔ یہ فرما کر آگے فرماتے ہیں کہ۔

این ہم از تاثیر حکم است و قدر | چاہ می بینی و نتوانے حذر

یعنی یہ بھی حکم قدر ہی کا اثر ہے کہ کنواں دیکھتے ہو اور بچ نہیں سکتے۔ تو جب یہ بات ہے تو پھر قضا سے بچکر قضا ہی کیطرف جاوے اور اوسی سے چارہ جوئی اور مدد چاہے۔

نیست خود از مرغ پران این عجب | کو نہ بیند دام و افتد در عطب

یعنی اُڑنے والے جانور سے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ جال نہ دیکھے اور مصیبت میں پڑجاسئے (مگر)

این عجب کہ دام بیند ہم و تد | گر بخواہد ور نخواہد مے فتد

یعنی عجیب بات تو یہ ہے کہ جال دیکھتا ہے اور کھونٹا بھی دیکھتا ہے اور اگر چاہے یا نہ چاہے گر پڑتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جو جانور کہ ہوا میں اڑ رہا ہے اوس نے جو جال نہیں دیکھا تو اگر وہ آکر پھنس جاوے تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ ایک جانور سامنے بیٹھا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ اوس کے لئے جال بچھایا جا رہا ہے مگر پھر بھی پھنس جاتا ہے۔

چشم باز و گوش باز و دام پیش ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ سوئے دامے می پرد با پر خویش

یعنی آنکھ کھلی ہوئی کان کھلے ہوئے اور جال سامنے اور جال کیطرف اپنے ہی پروں سے اڑتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کوئی اور شے ہے جو اوسکو اوس طرف لیجا رہی ہے ورنہ اگر اوسکو من کل الوجوہ اپنا اختیار ہوتا تو یقیناً جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ پھنستا۔ آگے مولانا اسکو خود ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

قضا کو جان سے تشبیہ دینا کہ صورت تو پوشیدہ ہے اور اثر ظاہر ہے۔

بنگر اندر دلق مہتر زادۂ ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ سر برہنہ در بلا افتادۂ

یعنی ایک امیر زادہ کی گدڑی کو دیکھو کہ وہ سر برہنہ ہے اور بلا میں پڑا ہوا ہے

در ہوائے یک نگارے سوختہ ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ اقمشہ و املاک خود بفروختہ

یعنی ایک معشوق کے عشق میں جلا ہوا ہے متاع اور املاک اپنے بیچے ہوئے ہے۔

خوار گشتہ در میان قوم خویش ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ مرہمش نایاب و دل ریش از مریش

یعنی اپنی قوم میں ذلیل ہوا اور اوس کا مرہم نایاب ہے اور اوس کا دل اوسکے عشق سے زخمی ہے۔

خان و مان رفتہ بشدہ بدنام و خوار کام دشمن میرود ادبار وار

یعنی خان ومان برباد شدہ اور بدنام وذلیل اور دشمن کا مقصد ادبار کی طرح چلتا ہے۔ دشمن سے مراد نفس وشیطان یعنے سب گھر بار برباد کئے ہوئے ہے اور نفس وشیطان کا قابو چلا ہوا ہے۔

زاہدے بیند بگوید اے کیا ہمتے میدار از بہر خدا

یعنی کسی زاہد کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ اے بزرگ خدا کے لیئے دعا کیجئے۔

کاندرین ادبار زشت افتادہ ام مال و زر و نعمت از کف دادہ ام

یعنی کہ میں اس ادبار زشت میں پھنس گیا ہوں اور مال وزر اور نعمت ہاتھ سے برباد کر دی ہے

ہمتے تا بو کہ من زیں وارہم زیں گل تیرہ بود کہ برجہم

یعنی ایک دعا کیجئے تاکہ شاید کہ میں اس سے چھوٹ جاؤں اور اس تیرہ وتاریک کیچڑ سے نکل جاؤں۔

این دعا میخواہد او از عام و خاص تا کہ یابد یکدمے از غم خلاص

یعنی وہ یہ دعا ہر عام وخاص سے چاہتا ہے تاکہ ایک دم کے لیئے غم سے خلاصی پائے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دست و پا زو پائے بازو بند نے نے موکل بر سرش نے آہنے

یعنی ہاتھ کھلے ہوئے پاؤں کھلے ہوئے کوئی قید نہیں ہے نہ تو اوس کے سر پر کوئی سپاہی ہے اور نہ کوئی بیڑی وغیرہ ہے۔

از کدامیں بند میجوئے خلاص ۔۔۔ وز کدامیں قید میخواہی مناص

یعنی کون سے بند سے خلاصی ڈہونڈہتا ہے اور کون سی قید سے خلاصی چاہتا ہے مطلب یہ کہ یہ جو سب سے کہتا پہرتا ہے کہ دعا کرو کہ میں قید سے چھوٹ جاؤں تو ظاہر میں اوس پر کوئی قید ہی نہیں پہر کیوں کہتا پہرتا ہے کہ دعا کرو کہ قید سے نکل جاؤں۔ یہ سوال کر کے مولانا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ۔

بند تقدیر قضائے مختفی ۔۔۔ کہ نہ بیند آن بجز جان صفی

یعنی یہ قید تقدیر قضائے پوشیدہ کی ہے کہ اوسکو بجز برگزیدۂ حق کے اور کوئی دیکہتا ہی نہیں ہے۔

گرچہ پیدا نیست آن در مکمن است ۔۔۔ بدتر از زندان و بند آہن است

یعنی اگرچہ یہ قید ظاہر نہیں ہے اور پوشیدگی میں ہے مگر زندان اور قید آہنی (ظاہری) سے سخت ہے آگے اوس کا اس ظاہری قید سے سخت ہونا بتاتے ہیں کہ۔

زانکہ آہنگر مر آن را بشکند ۔۔۔ حفرہ گر ہم خشت زندان برکند

یعنی اسلئے کہ اوس (قید ظاہری) کو تو لوہار توڑ دیتا ہے یا نقب زن زندان کی اینٹ اوکہاڑ دیتا ہے۔

این عجب این بند پنہان گران ۔۔۔ عاجز از تکسیر آن آہنگران

یعنی یہ عجب ہے کہ یہ قید پوشیدہ اور گراں ہے کہ اوس کے توڑنے سے لوہار بھی عاجز ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ قید اس قید ظاہری سے سخت تر ہے آگے فرماتے ہیں کہ

دیدنِ آن بند احمدؐ را رسد　　　بر گلوئے بستہ حبل من مسد

یعنی اِس قید کو دیکھنا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچتا ہے کہ گلو پر ایک رسی لیف خرما سے بندہی ہوئی -

دید بر پشتِ عیالِ بولہب　　　تنگ ہیزم گفت حمال الحطب

یعنی بولہب کے گھر والوں کی پشت پر ایک لکڑیوں کا گٹھا دیکھا تو کہا کہ حمال الحطب -

حبل و ہیزم را جز آن چشمے ندید　　　کہ پدید آید برو ہر نا پدید

یعنی رسی اور لکڑیوں کو سوائے اوس آنکھ کے کسی نے نہیں دیکھا جسپر کہ ہر ظاہر اور غیر ظاہر ظاہر ہوتا ہے

باقیانش جملہ تاویلے کنند　　　کاین ز بیہوشی ست و ایشان ہوشمند

یعنی باقی لوگ اوسکی تاویل کرتے ہیں اسلئے کہ یہ تاویل تو بیخبری کی وجہ سے ہے اور وہ خبردار ہیں احمقوں سے مراد اہل اللہ ان اوپر کے چاروں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ اوس قضا کے دیکھنے کیلئے اہل اللہ کی چشم چاہیئے جو کہ نائب رسول ہوں اور دیکھو کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بولہب کی بیوی کی کمر پر لکڑیاں لدی ہوئی دیکھیں اور رسی لٹکتی ہوئی دیکھی تو فرمادیا کہ حمالۃ الحطب تو دیکھو اوس گذشتہ واقعہ کو آپنے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوسرے لوگ تو اسکی تاویل کرتے ہیں مگر مولانا فرماتے ہیں کہ تاویل کی ضرورت ہی نہیں اسلئے کہ ہمیں کیا حرج ہے کہ کہا جاوے کہ وہ قضا صورت میں متمثل ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود رسی اور لکڑیاں نظر آئیں تو بس قضا کے دیکھنے کے لیے چشم بصیرت کی ضرورت ہے ورنہ اور لوگوں کو کیا خبر آگے پیر اوس مثال کیطرف رجوع ہے کہ دیکھو ظاہر میں اوسپر کوئی قید معلوم نہیں ہوتی -

لیک از تاثیر آن پشتش دو تو گشته و نالان شده در پیش او

یعنی لیکن اوسکی تاثیر کیوجہ سے اوسکی پشت دوہری ہو رہی ہے اور اوس زاہد کے آگے رو رہا ہے (اور کہہ رہا ہے)

کہ دعائے ہمتے تا وا رہم تا ازین بند نہان بیرون جہم

یعنی کوئی دعا اور مدد کیجئے تاکہ میں چھوٹ جاؤں اور تاکہ اِس قید پوشیدہ سے باہر نکل جاؤں تو پس معلوم ہوگیا کہ بند قضا کوئی شے ہے کہ جو اس قید ظاہری کے علاوہ ہے اور مولانا فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ بیند این علامتہا پدید چون نداند او شقی را از سعید

یعنی جو شخص کہ ان علامتوں کو دیکھ رہا ہے وہ شقی کو سعید سے کس طرح ممتاز کرکے نہ دیکھے گا مطلب یہ کہ جو شخص کہ ایسی پوشیدہ بات کو دیکھ لیتا ہے تو بھلا وہ یہ تو کیوں معلوم نہ کرے گا کہ فلاں شخص اچھا ہے فلاں برا ہے۔ یقیناً معلوم کرلیتا ہے۔ مگر۔

داند و پوشد با مر ذو الجلال کہ نباشد کشف راز حق حلال

یعنی جانتا ہے اور حکم حق کی وجہ سے پوشیدہ رکھتا ہے اسلئے کہ حق تعالےٰ کے راز کو ظاہر کرنا حلال نہیں ہے۔ یعنی بعض مرتبہ بعض بات کا اظہار مضر ہوتا ہے لہٰذا وہ اہل قضا کو کہ یہ شخص برا ہے اور یہ اچھا ہے ظاہر نہیں کرتے ورنہ وہ سب جانتے ہیں اور قضا اونکو آنکھوں سے نظر آجاتی ہے آگے اوس فقیر کے قصہ کو اور امتحان حق کو بیان فرماتے ہیں

این سخن پایان ندارد آن فقیر از مجاعت شد زبون و تن اسیر

یعنی اِس بات کی انتہا نہیں ہے اور وہ فقیر بھوک کیوجہ سے ضعیف اور تن اسیر ہوگیا ہے

اس نذر کرنے والے فقیر کا درخت امرود سے پھل توڑنے پر مضطر ہونا اور اسکو حق تعالیٰ کیطرف سے اوسکی گوشمالی ہونا

پنج روز آن باد امرودے نریخت　　ز آتش جوعش صبوری میگریخت

یعنی پانچ روز تک ہوا نے کوئی امرود نہ گرایا۔ تو اوس درویش کی آتش جوع سے صبر بہاگتا تہا۔ یعنی اوسکو مارے بہوک کے صبر کی تاب نہ رہی۔

بر سر شاخے مرودے چند دید　　باز صبرے کرد و خود را وا کشید

یعنی ایک شاخ پر چند امرود دیکہے تو پہر صبر کیا اور اپنے کو ہٹا لیا یعنی جب ہی احتیاط کی۔ اور نفس کو سمجہا لیا کہ اوپر لگ رہے ہیں کون توڑے مگر وہاں تو منظور امتحان تہا جب اوس نے اس طرح پرہیز کیا تو یہہ ہوا کہ

باد آمد شاخ را سر زیر کرد　　طبع را بر خوردن آن چیر کرد

یعنے ہوا آئی اور شاخ کے سر کو نیچے کر دیا اور طبیعت کو اوس کے کہانے پر غالب کر دیا۔

جوع و ضعف و قوت جذب قضا　　کرد زاہد را ز نذرش بیوفا

یعنی بہوک نے اور ضعف نے اور جذب قضا کی قوت نے زاہد کو اوسکی نذر سے بیوفا کر دیا۔

شرح حبیبی

چونکه از امر و دبن میوه شکست — گشت اندر عهد و نذر خویش سست

هم در آندم گوشمالِ حق رسید — چشم او بکشاد و گوش او کشید

مخلصان هستند دائم در خطر — امتحانها هست در ره ای پسر

یا مکن نذرے کہ نتوانے وفا — بر خطر منشین و بیرون جه بلا

نذر را باید وفا در راهِ حق — لیک حق تا خود کرا بدهد سبق

عهدها بستیم بس در کارها — نذرها کردیم در سر بارها

قوت آن کو کہ پایان آوریم — عاجزیم و ناتوان و مضطریم

گر نہ فضلت دستگیر ما شود — وائے بر ما زانکه رسوائی بود

نذر ما را با وفا پیوسته دار — عهد ما را از کرم دار استوار

باز گشتم سوئے قصه کان فقیر — عهد چون بشکست در دم شد اسیر

غیرت حق گوشمالش داد زود — زانکه فرمود است اوفوا بالعقود

اتفاقاً دزد چندے تاختند — واندران کہسار منزل ساختند

بست از دزدان بدند آنجا و پیش — بخش میکردند مسروقات خویش

شحنه را غماز آگه کرده بود — مردمِ شحنه درافتادند زود

هم بدآنجا پاے چپ و دست راست — جمله ببریدند و غوغائے بخاست

دست زاهد هم بریده شد غلط — پاش را میخواست هم کردن سقط

در زمان آمد سوارے بس گزین — بانگ بر زد بر عوان کاے سگ ببین

این فلان شیخ ست ابدال خدا — دست او را تو چرا کردی جدا

آن عوان بدرید جامه تیز رفت — پیش شحنه داد آگاهیش تفت

شحنه آمد پا برهنه عذرخواه — که ندانستم خدا بر من گواه

هین بحل کن مر مرا زین کار زشت — اے کریم و سرورِ اهل بهشت

گفت میدانم سبب این نیش را — مے شناسم من گناهِ خویش را

من شکستم حرمت ایمان او — پس یمینم برد دادستان او

بد شکستم عهد و دانستم بدست — تا رسید آن شومی جرأت بدست

دست ما و پای ما و مغز و پوست — باد ای والی فدای حکم دوست

قسم من بود این ترا کردم حلال — تو ندانستی ترا نبود وبال۔

آنکه او دانست او فرمانرواست — با خدا ساماں بسیچیدن کراست

جوں ہی اونہوں نے امرود کے درخت سے میوہ توڑا اور اپنے عہد و پیمان میں سست ثابت ہوئے فوراً ہی حق سبحانہ کی طرف سے تادیب ہوئی اور اون کی آنکھیں کھولدیں اور کان کھینچ دئیے اسکی تفصیل تو ہم بعد کو بیان کریں گے پہلے اتنی بات سن لو کہ راہ حق میں مخلصین کے لیے بہت خطرے ہیں۔ اگر تم عہد کرتے ہو تو سمجھ لو کہ اس طریق میں بہت سے امتحانات ہیں تمکو اون کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ اور اگر تم امتحانات کی طاقت نہیں رکھتے تو ایسا عہد ہی مت کرو۔ جسکو تم پورا نہ کرسکو اور اس کا تمکو مکلف بھی نہ بنایا گیا ہو اور اسلم طریق یہ ہے کہ خطرہ میں نہ پڑو اور اوس سے کودکر الگ کھڑے ہوجاؤ۔ اور عہد کرلینے کی صورت میں تو اوسکا پورا ہی کرنا ضروری ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہو۔ لیکن یہ بھی خدا ہی کے قبضے میں ہے۔ کیا معلوم وہ کسے توفیق عطا کرتے ہیں اور کسکو ایفائے عہد کی توفیق اور ہمت دیتے ہیں اور کسے نہیں دیتے۔ لہذا اسلم یہی ہے کہ غیر ضروری عہد نہ کیا جائے۔ مولانا اس کے بعد مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بسا اوقات ہم نے بہت سے معاملات میں عہد کیا ہے اور بہت مرتبہ تجھ سے خفیہ طور پر عہد کئے ہیں۔ لیکن ہم میں اتنی قوت کہاں ہے کہ اونکو انجام کو پہونچادیں۔ بلکہ ہم ایسا کرنے سے عاجز اور ضعیف اور مجبور ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں

یہ آپکی عنایت کے سبب سے کرتے ہیں اگر آپ کا فضل ہماری مدد نہ کرے تو ہماری بڑی خرابی ہے کیونکہ ہم سے عہد پورا نہ ہوگا اور اوس کے بعد رسوائی ہوگی۔ بس آپ اپنے فضل سے ہمارے عہد ونکو وفا کے ساتھ مقرون اور ہمیشہ اونکو مضبوط رکھئے۔ دیکھئے وہ ٹوٹنے نہ پاویں ورنہ ہماری بڑی ذلت ہوگی اچھا اب ہم قصہ کیطرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اوس فقیر نے عہد توڑا تو فوراً ہی مصیبت میں پھنس گیا اور حق سبحانہ نے اوسکو فوراً سزا دی۔ کیونکہ اوس نے ایفاء عہد کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اوفوا بالعقود یعنی جو معاملات تم حق سبحانہ کے ساتھ یا اپنے میں علی الوجہ المشروع طے کرلو۔ اونکو پورا کیا کرو اور اوس نے ایسا کیا نہیں لہذا مستوجب سزا ہوا تفصیل اسکی یہ ہے کہ اتفاقاً چند چور بھاگے ہوئے آئے اور آکر اس پہاڑ میں ٹھیر گئے جہاں وہ فقیر رہتا تھا۔ چور تعداد میں گیارہ اور پر جنس تھے یہ سب کے سب وہاں قیام کرکے مال مسروقہ کو تقسیم کر رہے تھے چونکہ کسی مخبر نے کوتوال کو چوروں کی بابت اطلاع کردی تھی۔ لہذا اوسی حالت میں دوڑ پہنچ گئی اور مال سمیت سب کو گرفتار کرلیا۔ اور سب کے داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں وہیں کاٹ ڈالے گئے۔ اسی ہلڑ میں فقیر کا ہاتھ بھی غلطی سے کاٹ ڈالا گیا۔ پاؤں کو بھی کاٹنا چاہتے تھے کہ فوراً ہی ایک غیبی سوار نمودار ہوا۔ اور اوسنے پولیس مین کو ڈانٹا کہ او اندھے دیکھ کیا کرتا ہے یہ فلاں بزرگ اور ابدال وقت ہیں تو نے انکا ہاتھ کیوں کاٹا۔ اوس پولیس مین نے یہ سنکر کپڑے پھاڑ لئے اور کوتوال کے پاس دوڑا ہوا گیا اور فوراً اوسکو واقعہ کی اطلاع دی کوتوال ننگے پاؤں معذرت کے لیے حاضر ہوا اور کہا کہ خدا گواہ ہے مجھے آپ کے متعلق کوئی علم نہ تھا آپ میری اس بیہودہ حرکت کو معاف فرماویں۔ آپ کریم ہیں اور اہل بہشت میں آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے اونہوں نے جواب دیا کہ اس عقوبت کی وجہ مجھے معلوم ہے اور میں اپنے گناہ سے خوب واقف ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے عہد خداوندی کی ہتک حرمت کی تھی لہذا اوسکی عدالت نے اس جرم میں میرا ہاتھ کاٹ ڈالا میں نے اوس کا عہد توڑا تھا اور جانتا تھا کہ یہ برا کام ہے اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس کا وبال میرے ہاتھ پر پڑا۔ لیکن اے والی مجھے اس کا کوئی غم نہیں میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھ میرے پاؤں میرا مغز میری کھال غرض سب اجزا میرے دوست کے حکم پر قربان ہو جائیں۔

فی الحقیقت میں اِس کا مستحق تھا لہذا میں تمکو معاف کرتا ہوں اور میرا یہ خون ہدر ہے جس کا نہ کبھی سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ معاوضہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ تمکو تو علم نہ تھا تمپر تو اس لیئے وبال نہوگا اور جسکو علم تہا وہ خود حاکم ہے اول تو خدا کو لپٹنے کا کسکو یارا ہے اور اوس سے کون کہے کہ آپ نے یہ کیوں کیا پہر میرا قصور بھی تہا اِس لیے اِن ہاتہ کٹنے کا مطالبہ کسی سے نہیں ہوسکتا۔

شرح شبیری

چونکہ از امرود بن میوہ شکست — گشت اندر نذر و عہد خویش سست

یعنی جبکہ امرود کے درخت سے میوہ توڑ لیا تو اپنی نذر اور عہد میں سست ہوگیا۔

ہم در آندم گوشمالِ حق رسید — چشم او بکشاد و گوش او کشید

یعنی اوسیوقت حق تعالی کیطرف سے گوشمالی پہونچی جس نے کہ اوسکی آنکھیں کہولدیں اور اوس کا کان کھینچدیا۔ گوشمالی کا ذکر آگے آوے گا یعنی جیسے ہی اوس نے امرود توڑکر کہایا ویسے ہی حق تعالے کی طرف سے سزا مسلط ہوئی جس کا ذکر آگے آوے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

مخلصان باشند دائم در خطر — امتحانہا ہست در رہ اے پسر

یعنی مقتربین ہمیشہ خطرہ میں رہتے ہیں اور اے صاحبزادے راہ (حق) میں بہت سے امتحانات ہیں۔

عہد را باید وفا اے جان من — تا نمانی شرمسار و ممتحن

یعنی اے میری جان عہد کو وفا کرنا چاہیئے تاکہ تم شرمندہ اور ممتحن نہ ہو جاؤ۔ مطلب یہہ کہ جہاں تک ہو سکے جو عہد حق تعالےٰ سے قولاً فعلاً کرو اوسکو پورا کرو۔

یا مکن نذرے کہ نتوانی وفا — بر خطر منشین و بیرون جہ ہلا

یعنی یا ایسی نذر ہی مت کرو جسکو کہ پورا نکر سکو تم خبردار خطر پر مت بیٹھو۔ اور باہر نکل جاؤ۔ مطلب یہ کہ یا تو وفا کرو اور اگر جانو کہ وفا نہ کر سکو گے تو پہر عہد ہی مت کرو۔ اور سچ یہی ہے کہ جو چیزیں کہ شریعت نے ہمارے ذمہ نہیں کیں ہیں اون کے علاوہ دوسری چیزیں اپنے سر کہہ لیں تو اوسمیں بعض مرتبہ امتحان حق ہو جاتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نذر را باید وفا در راہ حق — لیک حق تا خود کرا بدہد سبق

یعنی راہ حق میں نذر کو وفا کرنا چاہیئے۔ لیکن خود حق تعالیٰ ہی دیکھئے کسکو سبقت دیتے ہیں مطلب یہ کہ راہِ حق میں وفاء عہد ضروری ہے مگر وفاء عہد کی بہی توفیق حق ہی دے تو وہ بہی ہو سکتا ہے چونکہ وفاء عہد توفیق حق پر منحصر تہا اسلئے آگے حق تعالیٰ سے دعا فرمانے لگے کہ

عہدہا بستیم بس در کارہا — نذرہا کردیم در سر بارہا

یعنی اے اللہ ہمنے بہت سے کاموں میں عہد باندہے اور پوشیدگی میں بارہا نذریں کیں۔

قوت آن کو کہ پایان آوریم — عاجزیم و ناتوان و مضطریم

یعنی وہ قوت کہاں ہے کہ ہم پورا کر سکیں۔ ہم تو عاجز اور ناتوان اور مضطر ہیں۔

گر نہ فضلت دستگیر ما شود　　وائے بر ما زانکہ رسوائی بود

یعنی اگر آپ کا فضل ہمارا دستگیر نہو تو ہم پر افسوس ہے اسلئے کہ رسوائی ہوگی

نذر ما را با وفا پیوستہ دار　　عہد ما را از کرم دار استوار

یعنی ہماری نذر کو وفا کے ساتھہ قرین رکھئے اور ہمارے عہد کو کرم سے استوار رکھیئے۔ اب دعا کرکے پھر رجوع بقصہ فرماتے ہیں کہ۔

باز گشتم سوئے قصہ کان فقیر　　عہد چون بشکست در دم شد اسیر

یعنی میں پھر اوس فقیر کے قصہ کی طرف لوٹتا ہوں کہ جب اوس نے عہد توڑا تو وہ فوراً قید ہوگیا۔

غیرت حق گوشمالش داد زود　　زانکہ فرمود ست اوفوا بالعقود

یعنی غیرت حق نے اوسکو جلدی ہی گوشمالی دی اسلئے کہ فرمایا ہے کہ اوفوا بالعقود۔

جمع از دزدان بدند آنجا مگر　　در میان آوردہ بے مر سیم و زر

یعنی چوروں کی ایک جماعت اوسجگہ تھی شاید کہ وہ بے انتہا روپیہ پیسہ لائے تھے۔

اتفاقاً دزد چندے تاختند　　و ندران کہسار منزل ساختند

یعنی اتفاقاً چند چور دوڑے اور اوس کہسار میں اونہوں نے منزل بنائی۔ یعنی وہیں کہیں چوروں کی جماعت تھی جنہوں نے کہ ایک بہت بڑا ڈاکہ ڈالا تھا اتفاقاً وہ لوگ اوسی کہسار میں آکر جمع ہوگئے تھے۔

اوس شیخ کو اون چورون کے ساتھ متہم کرنا اور اسکا ہاتھ کاٹ ڈالنا

بست از دزدان بُدند آنجا و بیش   بخش مے کردند مسروقات خویش

یعنی اوس جگہ چور بیس یا اس سے زیادہ تھے اور اپنے مسروقات کو تقسیم کر رہے تھے۔

شحنہ را غماز آگہ کردہ بود   مردم شحنہ در افتادند زود

یعنی غماز نے کوتوال کو آگاہ کر دیا تہا۔ (کہ چور فلاں پہاڑ میں ہیں) تو کوتوال کے آدمی جلدی سے (اوسمیں) گھس پڑے۔

شحنہ حالے عزم آن کہسار کرد   جملہ را بگرفت و بست آن شیر مرد

یعنی کوتوال نے اوسیوقت ارادہ اوس کہسار کا کیا اور سب کو اوس شیر مرد نے پکڑ کر باندھ لیا۔

بس بفرمود از غضب جلاد را   دست و پائے ہر یک از تن کن جدا

یعنی پہر غصہ کی وجہ سے جلاد کو حکم دیا کہ ہاتھہ پاؤں ہر ایک کا تن سے جدا کر دو۔

ہم بُد آنجا پائے چپ و دست راست   جملہ را ببرید غوغائے بخاست

یعنی اوسجگہ پہر بایاں پاؤں اور سیدھا ہاتہہ سب کا کاٹ دیا تو ایک شور پیدا ہو گیا۔

دست زاہد ہم بریدہ شد غلط	پاش میخواست ہم کردن سقط

یعنی زاہد کا بہی ہاتہہ غلطی سے کاٹا گیا - اور اوسکے پاؤنکو بہی کاٹنا چاہتے تہے -

در زمان آمد سوارے بس گزین	بانگ برزد بر عوان کای سگ بہین

یعنی اوسیوقت ایک سوار بہت برگزیدہ آیا - اور اوس نے سپاہی کو للکارا کہ اے کتے دیکہہ

این فلان شیخ است ابدال خدا	دست او را تو چرا کردی جدا

یعنی یہ تو فلان شیخ ابدال خدا ہے تو نے اوسکے ہاتہہ کو کیوں (تن سے) جدا کیا -

آن عوان بدرید جامہ تیز رفت	پیش شحنہ داد آگاہیش تفت

یعنی اوس سپاہی نے کپڑے پہاڑنے اور تیزی سے کوتوال کے پاس گیا اور اوس کو فوراً آگاہی دی - یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوار جو آیا یہ غیبی تہا اور چونکہ اوس شیخ نے ہاتہہ سے تو خیانت کی تہی مگر پاؤں سے کچہہ نہ کیا تہا لہذا ہاتہہ تو کٹ گیا مگر پاؤں کٹنے نہ پایا تہا کہ فوراً اوس سوار غیبی نے آکر بچا لیا سبحان اللہ تعالی اللہ علوا کبیرا - غرض کہ جب اوس سپاہی نے جاکر کوتوال سے کہا تو اوسکی یہ حالت ہوئی کہ

شحنہ آمد پا برہنہ عذر خواہ	کہ ندانستم خدا بر من گواہ

یعنی کوتوال ننگے پاؤں عذر خواہی کرتا ہوا آیا کہ خدا گواہ ہے میں نے آپ کو جانا نہ تہا -

ہین بحل کن مر مرا این کار زشت	اے کریم و سرور اہل بہشت

یعنی یہ کار زشت مجہے معاف فرما دیجئے اے کریم اور اے سردار اہل بہشت

گفت میدانم سبب این نیش را ‌ ‌ ‌ ‌ می شناسم من گناه خویش را

یعنی اونھوں نے فرمایا کہ میں اس زخم کے سبب کو جانتا ہوں اور میں اپنے گناہ کو پہچانتا ہوں

من شکستم حرمت ایمان او ‌ ‌ ‌ ‌ پس یمینم برد دادستان او

یعنی میں نے اوس کے عہدونکی حرمت توڑی تو اوسکی عدالت میرا داہنا ہاتھ لے گئی

من شکستم عہد و دانستم بدست ‌ ‌ ‌ ‌ تا رسید آن شومی جرأت بدست

یعنی میں نے عہد شکنی کی اور میں جانتا تھا کہ برا ہے یہاں تک کہ اوسکی نحوست ہاتھ پر پہونچی
یعنی میں سب جانتا ہوں کہ یہ کیوں ہوا اور اگر معلوم نہ بھی ہو تب بھی تو یہ بات ہے کہ

دست ما و پائے ما و مغز و پوست ‌ ‌ ‌ ‌ باد اے والی فدائے حکم دوست

یعنی ہمارا ہاتھہ اور پاؤں اور مغز اور پوست اے حاکم اوس دوست کے حکم پر فدا ہے۔

قسم من بود این ترا کردم حلال ‌ ‌ ‌ ‌ تو ندانستی ترا نبود وبال

یعنی یہ میری قسمت میں تہا میں نے تجھے معاف کیا اور تو تو جانتا ہی نہ تہا
تو تجھپر کوئی وبال نہ ہوگا۔

وانکہ او دانست او فرمانرواست ‌ ‌ ‌ ‌ با خدا سامان پیچیدن کراست

یعنی اور وہ کہ جانتا ہے کہ وہ حاکم ہے تو بھلا خدا کے ساتھ اینچ پینچ کرنے کا سامان کسکے
پاس ہے مطلب یہ کہ جب حکم خدا ہے اور پھر میری خطا ہے تو مجھے اسیر راضی
رہنا چاہیئے اور تمہاری کوئی خطا نہیں ہے سب معاف کیا اہل اللہ کو جب کوئی
مصیبت پیش آتی ہے تو اگر اوس سے مقصود تنبیہ ہوتا ہے تو حق تعالے اونکو

اوس سے فوراً متنبہ کر دیتا ہے اسی طرح الکو بھی فوراً تنبیہ ہو گئی لہذا اوس کوتوال سے کسم قسم
کی کدورت اون کے دلمیں پیدا نہیں ہوئی اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

اے بسا مرغِ زمعدہ و زمغص ۔۔۔ برکنارِ بام محبوس قفص

یعنی بہت سے جانور ہیں کہ معدہ اور پیٹ کی جلن کیوجہ سے بام پر ہوتے ہیں اور محبوس
قفس ہوتے ہیں۔ خلاصہ اس کا اور چند اشعار بالا کا یہ ہے کہ اکثر حرص و شہوت کی چیزیں
انسان کو خراب کرتی ہیں اور اس سے بہت مصیبت میں پھنستے ہیں تو دیکھو ایک جانور اچھا
خاصہ کوٹھے پر بیٹھا ہوتا ہے مگر جال میں آکر پھنستا ہے یہ صرف اس شکم پیچ پیچ کی بدولت ہے

شرح حبیبی

اے بسا مرغ زمعدہ و زمغص	برکنارِ بام محبوس قفص
اے بسا مرغِ پرندہ دانہ جو	کہ بریدہ حلق او ہم حلق او
اے بسا ماہی درآبِ دور دست	گشتہ از حرص گلو ماخوذِ شست
اے بسا مستور در پردہ بُدہ	شومئے فرج و گلو رسوا شدہ
اے بسا قاضی حبرِ نیکخو	از گلوئے رشوتے او زرد رو

اے بسا حاجی بحج رفتہ بعشق	وقت باز آمد شدہ او یار فسق
بلکہ در ہاروت و ماروت این شراب	از عروج چرخ شان شد سد باب
بایزید از بہر این کرد احتراز	دید در خود کاہلی اندر نماز
از سبب اندیشہ کرد آن ذو لباب	دید علت خوردن بسیار آب
گفت تا سالے نخواہم خورد آب	آنچنان کرد و خدایش داد تاب
این کمینہ جہد او بہر دین	گشت او سلطان و قطب العارفین

یاد رکھو کہ یہ جو کچھ مصیبت اون فقیر پر پڑی وہ سب پیٹ کی بدولت تھی اب تم سمجھ لو کہ پیٹ کیسی بری بلا ہے، اور اوسکی کس قدر حفاظت کی ضرورت ہے، دیکھو بہت سے جانور معدہ اور آنتوں کے پیچ کی بدولت پنجرہ میں بند ہوکر کوٹھے پر رکھے ہوئے ہیں۔ اور بہت جانوروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ دانہ تلاش کرتے ہیں اور اون کا حلق اون کا گلا کٹوا دیتا ہے بہت سی مچھلیاں جو بہت گہرے پانی میں محفوظ ہوتی ہیں حلق ہی کی حرص کے سبب کانٹے میں پھنستی ہیں بہت سی پردہ نشین عورتیں شرم گاہ اور حلق کی بدولت بدنام ہو جاتی ہیں بہت سے قاضی جو عالم متبحر اور نیک خصلت ہوتے ہیں رشوت خوار حلق کی بدولت شرمندگی اوٹھاتے ہیں بہت سے حاجی جو بڑے شوق سے حج کرتے ہیں لوٹ کر حلق ہی کی بدولت فاسق ہو جاتے ہیں بلکہ ہاروت و ماروت کے معاملہ میں یہہ شراب ہی جس کا تعلق حلق سے ہے اون کے لیے آسمان پر جانے سے مانع ہوئی تھی (کما ہو المشہور) جب اسکی یہ مضرتیں ہیں تو ضرور وہ حفاظت کا مستحق ہے چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی لیے اِس سے

احتراز کیا تہا جس کا واقعہ یہ ہے کہ اونہوں نے دیکھا کہ نماز میں آج مجھے کاہلی ہوئی ہے اونہوں نے اس کے سبب پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ پانی زیادہ پی لیا تہا یہ معلوم کر کے اونہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ایک سال تک پانی نہ پیوں گا۔ چنانچہ اونہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور خدا نے اون کو ایسا کرنے کی طاقت دیدی یہ تو دین کے لیے ان کی ایک ادنی کوشش تہی یہ ہی وجہ ہے کہ وہ سلطان العارفین اور قطب العارفین بن گئے۔

شرح شبیری

اے بسا مرغ پرندہ دانہ جو … کہ بریدہ حلق او ہم حلق او

یعنی بہت سے جانور ہیں جو کہ دانہ کے متلاشی ہوتے ہیں کہ اون کا حلق خود اون کے حلق کو کٹوا دیتا ہے یعنی حلق سے کہانے گئے تہے اور جال میں پہنس کر خود اپنا حلق کٹوا دیتے ہیں۔

اے بسا ماہی در آب دور دست … گشتہ از حرص گلو ماخوذ شست

یعنی بہت سی مچھلیاں بڑے عمیق پانی میں ہوتی ہیں کہ حرص گلو کی وجہ سے وہ خود شست میں ہو جاتی ہیں۔

اے بسا مستور در پردہ بُدہ … شومئ فرج و گلو رسوا شدہ

یعنی بہت سی مستورات ہیں جو کہ پردہ میں ہوتی ہیں اور فرج و گلو کی نحوست کی وجہ سے رسوا ہوتی ہیں۔

اے بسا قاضی حبر نیکخو — از گلوے رشوتے او زرد رو

یعنی بہت سے قاضی عالم نیکخو اور رشوت (کہانے والے) گلو کی وجہ سے زرد رو تہتے ہیں

اے بسا حاجی بحج رفتہ بعشق — وقت باز آمد شدہ او یار فسق

یعنی بہت سے حاجی ہیں جو کہ بڑی محبت و آرزو سے حج کو گئے ہتے ہیں اور واپسی کے وقت فسق کے یار ہو جاتے ہیں۔

بلکہ در ہاروت و ماروت این شراب — از عروج چرخ شان شد سد باب

یعنی بلکہ ہاروت و ماروت میں یہ شراب عروج چرخ سے اون کے لئے مانع ہو گئی مولانا اِس قصہ کو ہمیشہ اور ہر جگہ بناءً علی المشہور لکھتے ہیں جب اونہوں نے شراب پی جیسا کہ مشہور ہے تو دیکھو اِسی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔ اور اس حرص و شہوت میں مبتلا ہو کر عروج آسمانی سے رہ گئے۔

بایزید از بہر این کرد احتراز — دید در خود کاہلی اندر نماز

یعنی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے احتراز کیا ہے کہ اونہوں نے اپنے اندر نماز میں کاہلی دیکھی۔

از سبب اندیشہ کرد آن ذولباب — دید علت خوردن بسیار آب

یعنی اون ذی عقل نے سبب اِس کا سوچا تو اِس کا سبب پانی زیادہ پینا دیکھا۔

گفت تا سالے نخواہم خورد آب — آنچنان کرد و خدایش داد تاب

یعنی اونہوں نے فرمایا کہ ایک سال تک میں پانی نہ پیونگا تو اونہوں نے ایسا ہی کیا اور خدا نے اون کو

تحمل عطا فرمایا۔

این کمینہ جہد او بد بہر دین　　گشت او سلطان و قطب العارفین

یعنی دین کے لیے اونکا یہ ادنے مجاہدہ تھا (ورنہ) وہ تو سلطان العارفین اور قطب العارفین سمجھے گئے ہیں (تو اونہوں نے اس سے کہیں زیادہ زیادہ مجاہدات کئے ہیں) آگے پھر اوس زاہد کوہی کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

چوں بریدہ شد برائے حلق دست　　مرد زاہد را در شکوے بہ بست

انچنین باشد چو یکدر بستہ شد　　صد در دیگر برو شکستہ شد

شیخ اقطع گشت نامش پیش خلق　　کرد معروفش بدین آفات حلق

در عریش او رسیکے زایر بیافت　　کو بہر دو دست خود زنبیل بافت

گفت او را اے عدوئے جان خویش　　در عریشم آمدی سر کردہ پیش

ہین چرا کردی شتاب اندر سباق　　گفت از افراط مہر و اشتیاق

پس تبسم کرد و گفت اکنون بیا — لیک مخفی دار این را اے کیا
تا نمیرم من مگو این با کسے — نے قرینے نے حبیبے نے خسے
بعد ازان قوم دگر از روزنش — مطلع گشتند بر با فیدنش
گفت حکمت را تو دانے کردگار — من کنم پنہان تو کردی آشکار
آمد الہامش کہ یک چندے بُدند — کہ درین غم بر تو منکر مے شدند
کہ مگر سالوس بود او در طریق — کہ خدا رسواش کرد اندر فریق
من نخواہم کان رمہ کافر شوند — وز ضلالت در گمان بد روند
این کرامت را بکردیم آشکار — کہ دہیمت دست اندر وقت کار
تا کہ این بیچارگان بدگمان — رد نگردند از جناب آسمان
من ترا بے این کراماتہا ز پیش — خود تسلی دادہ ام از ذات خویش
این کرامت بہر ایشان دادمت — وین چراغ از بہر این بنہادمت

تو ازان بگذشتہ گز مرگ تن	ترسی از تفریق اجزائے بدن
وہم تفریق از سر و پایے تو رفت	دفع وہم اسپر زید نیک رفت

یہاں سے پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خلق کی خاطر اون کا ہاتھ کاٹا گیا تو اونہوں نے کوئی شکایت کسی قسم کی نہیں کی بلکہ صبر کیا۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے اور عقلا ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ ہاتھ بعض اغراض کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ تہا اور حق سبحانہ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ ایک دروازے اور ذریعہ کو مسدود کرتا ہے تو اور بہت سے دروازے بہوڑ دیتا ہے اور دیگر ذرائع پیدا کر دیتا ہے چنانچہ اوس نے اون کے لئے بھی ایسا ہی کیا۔ جسکی تفصیل حسب ذیل ہے اوس روز سے اون کا نام شیخ اقطع ہوگیا۔ اور اس بیہودہ نام کے ساتھ اون کو حلق کی خرابیوں نے مشہور کیا۔ چنانچہ تم کو معلوم ہی ہوچکا ہے اتفاقا کوئی شخص اون کی زیارت کو آیا اوسنے جہونپڑی کے اندر داخل ہو کر دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے زنبیل بن رہے ہیے۔ اسپر اونہوں نے اوسکو ڈانٹا اور کہا کہ او اپنی جان کے دشمن تو یوں ہی منہ اوٹھائے ہوئے میرے جہونپڑے کے اندر چلا آیا۔ اطلاع بھی نہ کی۔ بتا تو نے گھسنے میں اتنی عجلت کیوں کی اوسنے عرض کیا فرط محبت و اشتیاق نے مجھے اتنی مہلت نہ دی اس جواب سے اون کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور ہنسکر فرمایا کہ اچھا آجاؤ لیکن اس راز کو مخفی رکھنا اور جب تک میں مر نہ جاؤں اُس وقت تک کسی سے نہ کہنا خواہ کوئی ہم نشین ہو یا محبوب یا کوئی معمولی آدمی۔ یہ واقعہ تو ختم ہوا اس کے بعد کچھ اور لوگ سوراخ کے ذریعہ سے اون کے دونوں ہاتھوں سے بننے پر مطلع ہوگئے۔ اب یہ بہت پریشان ہوئے اور حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں تو اسکو چھپانا چاہتا ہوں اور آپنے ظاہر کر دیا اسکی مصلحت کو آپ جانتے ہیں اسپر اونکو الہام ہوا کہ مصلحت

اسمیں یہ ہے کہ ایک عرصہ تک تو لوگوں کی یہ حالت تہی کہ اِس معاملۂ غم افزا میں آپ پر انکار کرتے تہے اور کہتے تہے کہ یہ اس روش میں مکار تہا۔ کیونکہ خدا نے اسکو چوروں کے ضمن میں رسوا کر دیا میں نے نہ چاہا کہ اون کے انکار کی شامت اونکو کفر اختیاری میں مبتلا کر دے اور یہہ اپنی ناواقفیت اور جہالت سے گمان بد میں مشغول رہیں اس لیے میں نے اس کرامت کو ظاہر کر دیا کہ میں کام کے وقت تم کو ہاتہہ عطا کرتا ہوں تاکہ یہ بدگمان بیچارے درگاہِ خداوندی سے مردود نہو جائیں۔ یہ آپ کے لئے نہیں ہے اسلئے کہ آپکو تو میں ان کرامتوں سے پہلے خود اپنی ذات سے (یعنی اوس کے مشاہدہ یا اپنی طرف سے الہام سے یا کسی اور طریقہ سے) کامل تسلی دے چکا ہوں بلکہ یہ کرامت تو میں نے آپکو اِن لوگوں کی وجہ سے عطا کی ہے اور یہ چراغ میں نے آپ کے سامنے اِن ہی لوگوں کی رہنمائی کے لئے رکہا ہے آپ کو اسکی کچہہ ضرورت نہیں۔ اسکی ایک وجہ تو پیشتر معلوم ہو چکی۔ دوسری یہ ہے کہ آپ کو ہاتہہ کٹنے کا کچہہ ایسا غم بہی نہیں تہا جس کے لئے اس اہتمام کی ضرورت ہوتی۔ اس لئے کہ آپکا مرتبہ اِس سے ارفع ہے کہ آپکو جسم کے مردہ ہونے یا اوس کے اجزار کے جُدا ہو جانے سے خوف ہوا اور اسکی تحقق کے بعد رنج ہو۔ لیکن اتنا فائدہ آپ کے لئے بہی ہوا کہ گو آپ کو تفریق اجزا کا خوف اور رنج نہو مگر نفس تفرق جسم کا توہم ہو سکتا۔ اب وہ بہی جاتا رہا۔ اور خوب قوی اور مستقل طور پر اندفاع توہم آپ کو حاصل ہو گیا۔ کیونکہ اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کا قطع ید ایسا تہا جیسا خواب میں کسیکا ہاتہہ کٹ جاتا ہے۔ اور آنکہہ کہلنے کے بعد وہ اوسکو سالم پاتا ہے۔ نیز یہ بہی معلوم ہو گیا کہ تفرق جسم کے بعد بہی حق سبحانہ جب چاہتے ہیں اتصال پیدا کر سکتے ہیں پس وہ تفرق ایسی صورت میں کچہہ بہی قابلِ التفات نہو گا۔ اب مولانا اسکی تائید میں ایک قصہ بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکہو ساحران فرعون کو کسقدر تفریق جسم کی دہمکیاں دی گئیں لیکن چونکہ یہ تفرق اون کی نظر میں ایک وہم و خیال سے زیادہ وقعت نہ رکہتا تہا نیز اونکو خدا کی قدرت پر اطمینان تہا کہ اگر وہ چاہیں گے

تو پھر اتصال پیدا کردیں گے اسلئے اونھوں نے اِن دھمکیوں کی طرف کچھ بھی التفات نہ کیا تفصیل قصہ حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

چون برین شد برائے حلق دست مرد زاہد را در شکوے بہ بست

یعنی چونکہ اون کا ہاتھ حلق کی وجہ سے کاٹا گیا تو اون مرد زاہد کے شکوے کا دروازہ بند ہوگیا یعنی پھر اونھوں نے کوتوال وغیرہ کیکی شکایت نہیں کی اسلئے کہ اونکو تو معلوم تھا کہ یہ اوس حرکت کی سزا ہے۔

اینچنین باشد چو یکدر بستہ شد صد در دیگر بروے شکستہ شد

یعنی ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ جب ایک در بند ہوا تو سو دروازے دوسرے اوسپر ٹوٹ جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ایک دروازہ اسباب میں بند ہوجاتا ہے تو حق تعالیٰ اور دوسرے سیکڑوں اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور در کھلنے کو ٹوٹنے سے تعبیر کیا کہ وہ ٹوٹ گئے ہیں کہ اب بند ہی نہیں ہوتے۔ اور یہ شعر مابعد کی تمہید ہے خلاصہ یہ ہے کہ آگے بیان کریں گے کہ اون زاہد صاحب کے خلوت میں ہاتھ لگ جاتا تھا تو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو اگرچہ ظاہر میں اون کا ہاتھ کٹ گیا تھا مگر اوس کے کٹ جانے سے اون کا ضرر کچھ نہیں ہوا بلکہ اون کو حق تعالیٰ نے دوسرا ہاتھ عنایت فرما دیا۔ آگے پھر اون کی حکایت ہے۔

شیخ اقطع کی کرامت اور اُن کا خلوت میں دونوں ہاتھوں سے زنبیل بُننا

شیخ اقطع گشت نامش پیش خلق   کرد معروفش بدین آفات خلق

یعنی لوگوں کے آگے اون کا نام شیخ اقطع ہوگیا اور لوگوں نے ان آفات کے ساتھ اُنکو مشہور کردیا یعنی شیخ اقطع تو اُن کے نقص پر دال تھا مگر لوگوں نے یہی اونکا نام مشہور کردیا۔ مولا فرماتے ہیں کہ

گر تو نام اولش خواہے روان   ہین برو بوالخیر تیتانیش خوان

یعنی اگر تم اون کا اول نام معلوم کرنا چاہتے ہو تو جاؤ اور اونکو ابوالخیر تیتانی کہو تیتان بفتح تا و یائے تحتانی نام موضع ششش فرسخ از مصر یعنی اون کا اصلی نام ابوالخیر ہے اور تیتان کے رہنے والے تھے

در عریش او را یکے زایر بیافت   کو بہر دو دست خود زنبیل بافت

یعنی جھونپڑی میں ایک زائر نے اونکو پایا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے زنبیل بن رہے ہیں

گفت او را اے عدوئے جان خویش   در عریشم آمدی سر کردہ پیش

یعنی شیخ نے اوس سے کہا کہ اے اپنی جان کے دشمن تو میرے جھونپڑے میں ویسے ہی منہ اوٹھائے ہوئے چلا آیا۔

ہین چرا کردی شتاب اندر سباق   گفت از افراط مہر و اشتیاق

یعنی (فرمایا کہ) اے تو نے آنے میں جلدی کیوں کی تو اوسنے عرض کیا کہ فرط محبت اور اشتیاق کی وجہ سے۔

پس تبسم کردو گفت اکنون بیا لیک مخفی دار این را اے کیا

یعنی پس اونہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ اب آجا لیکن اے زیرک اسکو ذرا پوشیدہ ہی رکھنا

تا نمیرم من مگو این با کسے نے قرینے نے حبیبے نے خسے

یعنی جب تک کہ میں مر نہ جاؤں اسکو کسی سے مت کہنا نہ کسی ساتھی سے نہ دوست سے نہ کسی کمینہ سے مطلب یہ ہے کہ کسی سے مت کہنا۔ ان بزرگ نے اس شخص کو تو منع کردیا مگر یہ ہوا

بعد ازان قوم دگر از روزنش مطلع گشتند بر بافیدنش

یعنے بعد اوس کے دوسرے لوگوں نے جھونپڑی کے روزن سے ان کے بننے پر اطلاع پالی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو لوگو نپر ظاہر ہو گیا تو اُن کو یہ خوف ہوا کہ کہیں انپر کوئی وبال نہ آوے کہ اسکو ظاہر کیوں کیا تہا۔ لہذا اس ڈر کے مارے دعا فرماتے ہیں

گفت حکمت را تو دانی کردگار من کنم پنہان تو کردی آشکار

یعنی اونہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ حکمت کو تو آپ ہی جانتے ہیں مگر میں نے تو پوشیدہ کیا تہا اور آپنے ظاہر فرمایا مطلب یہ کہ اے اللہ اسمیں میری تو کوئی خطا ہے نہیں آپنے ہی ظاہر فرمایا ہے۔

آمد الہامش کہ یک چندے بُدند کاندرین غم بر تو منکر مے شدند

یعنی اونکو الہام ہوا کہ یہ لوگ ایک مدت (اس طرح) تہے کہ اِس تکلیف میں تمپر منکر ہوا کرتے تہے (اور کہا کرتے تہے کہ)

کہ مگر سالوس بود اندر طریق　　　　کہ خدا رسواش کرد اندر فریق

یعنی کہ شاید یہ طریق حق میں مکار ہے کہ خدا نے اوسکو فریق میں رسوا کر دیا۔ یعنی لوگ تمہارے ہاتھ کٹ جانے سے کہا کرتے تھے کہ مکار تھا لہذا حق تعالیٰ نے اوس کا بدلا دیا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ چور تھا تو چونکہ لوگ تم پر بدگمانی کیا کرتے تھے اور اوس سے اون کے ایمان کے متزلزل ہونیکا خوف تھا لہذا

من نخواہم کان رمہ کافر شوند　　　　وز ضلالت در گمان بد روند

یعنی میں نہیں چاہتا کہ یہ جماعت کافر ہوں اور گمراہی کی وجہ سے گمان بد میں پڑیں یعنی حقتعالےٰ نے فرمایا کہ چونکہ تمہاری شان میں گستاخی سے عوام کے ایمان کا خوف تھا کہ کہیں گستاخی منفضی الی الکفر نہو جائے۔ اور ایسا بہت ہوا ہے۔ قصبہ دیوبند میں ایک شخص نے ایک بزرگ کی شان میں گستاخی کی تو اون بزرگ نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارے ایمان کو سلامت رکھے بد دعا نہیں دی بلکہ یہ دعا کی لیکن اندر سے دل تو دکھا ہی تھا۔ تو وہ شخص کچھ ہی دن بعد نصرانی ہوگیا والعیاذ باللہ تو دیکھو گستاخی ہی کا یہ اثر ہوا تو ارشاد ہوا کہ چونکہ ان لوگوں کے کافر ہو جانے کا خوف تھا لہذا ہم نے اِن کے بچانے کے لئے ایسا کیا اُن لوگوں پر کرامت ظاہر کردی تاکہ یہ گستاخی کرنا چھوڑ دیں اللہ اکبر قابل غور امر ہے کہ ان بزرگ نے جو ایک کام کیا اور وہ بظاہر بہت چھوٹا تھا اگرچہ اصل میں عظیم تھا مگر ظاہر میں تو خفیف ہی تھا تو اونکو فوراً سزا ملی اور عوام کے فعل پر اون کے ایمان کی حفاظت کیجارہی ہے سبحان اللہ علو اکبیرا۔ اے اللہ ہم ضعیف لوگوں کا ایمان پر خاتمہ فرما۔ اور استقامت و استدامت علی الطریق نصیب فرما آمین۔

سچ یہ ہے کہ جتنا قرب بڑھتا ہے اوسیقدر تنبیہ بھی ہوتی ہے اسلئے کہ جو کہتا ہے اپنے ہی کو کہا کرتا ہے دیکھو قرآن شریف میں ازواج مطہرات امہات المومنین کی بابت ارشاد ہے۔ من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین تو یہ دوہرا عذاب کیوں اسی لیے کہ مقرب ہوکر اور پھر اسقدر خطا عظیم اے اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھنا۔ اور ارشاد ہے کہ

این کرامت را بکردیم آشکار که دهمیت دست اندر وقت کار

یعنی ہم نے تمہاری اِس کرامت کو (اسلئے) ظاہر کیا کہ ہم تمکو کام کے وقت ہاتھ دیتے ہیں۔

تاکہ این بیچارگان بدگمان رد نگردند از جناب آسمان

یعنی تاکہ یہ بیچارے (تم سے) بدگمان ہوکر درگاہِ آسمانی سے مردود نہو جائیں۔

من تسلے این کرامتہا زپیش خود تسلی دادہ ام از ذات خویش

یعنی میں نے تمکو تو ان کرامتوں سے پہلے خود ہی تسلی دیدی تھی۔

این کرامت بہر ایشان دادمت وین چراغ از بہر این بنہادمت

یعنی یہ کرامت تو میں نے تمکو اون کے لئے دی ہے اور یہ چراغ اِن کے واسطے رکھا ہے
میں نے مطلب یہ ہے کہ حق تعالی نے اون سے فرمایا کہ تمکو تو میں نے پہلے ہی تسلی دیدی تھی
اِس طرح کہ تمام واردات و احوال پہر اوسی طرح لوٹا دیئے تھے جس سے کہ صاف معلوم ہوتا تھا
کہ تم مردود نہیں ہوئے اب اِس کرامت کی تمہارے لئے تو ضرورت نہ تھی یہ کرامت تو
صرف اِس لئے ظاہر کی ہے کہ جو لوگ تمہاری بزرگی کے منکر ہیں اون کا ایمان نہ جاتا رہے
اور وہ کہیں گمراہ نہو جاویں ورنہ آپکی تو یہ حالت ہے کہ۔

تو از آن بگذشتۂ کز مرگ تن ترسی از تفریق اجزاء بدن

یعنی تو اوس سے گذر گیا ہے کہ مرگ تن کی وجہ سے اجزاء بدن کے الگ ہوجانے سے ڈرے

وہم تفریق سر و پائے تو رفت دفع وہم از سر رسیدت نیک رفت

یعنی سر و پا کی تفریق کا وہم تم سے جاتا رہا ہے اور وہم کا دفعیہ از سر تمکو خوب اچھی طرح

پہونچ گیا ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اب آپکی وہ شان ہے کہ آپکو اسکا خوف نہیں ہے کہ آپکے یہ دست وپا ظاہری الگ کر دیے جاویں اسلئے کہ آپکو تو وہ روحانی اعضاء حاصل ہیں اور وہ آپ کو عطا ہو جاویں گے تو آپکی یہ شان پہلے سے تھی اور اب از سرنو یہ حالت اور زیادہ قوی ہوگئی اسلئے کہ آپ کو اس وقت ظاہری ہاتھ کے بعد دست روحانی مل گیا اب تو عین الیقین ہوگیا ہے اور کوئی وہم وشبہ رہا ہی نہیں۔ اور اگر یہ بھی نہو تب بھی اون کے تمام اعضاء بدن فدائے حق ہیں اون کو ان کے جاتے رہنے کی بسبب اوس تعلق کے جو اونکو حق تعالیٰ کے ساتھ تھا کچھہ پروا نہ تھی اور پھر ان دست وپا کے فانی اور اس عالم کے فانی ہونیکو وہ خوب سمجھے ہوئے تھے لہذا اب اونکو اس سے کیا غم ہو سکتا تھا کہ اون کا ہاتھہ کٹ گیا ہے یہ کرامت صرف اس لئے تھی کہ اور دل کا ایمان درست رہے آگے ساحران فرعون کا قصہ لاتے ہیں کہ دیکھو جب فرعون نے کہا لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم اجمعین تو وہ جواب دیتے ہیں۔ لا ضیر انا الی ربنا منقلبون اونکو جو اسقدر قوت تھی کہ وہ لاضیر کہتے ہیں جو نکرہ تحت میں نفی کے ہے کوئی ضرر بھی نہیں حالانکہ ضرر ظاہر میں موجود تھا تو اس لاضیر کے کہنے کی وجہ یہی تھی کہ اونہوں نے اصل حقیقت کو سمجھہ لیا تھا اور وہ اس دنیا کو فانی اور اسکی حیات کو فانی سمجھے ہوئے تھے اور دوسرے عالم کو اور اوس کی حیات کو باقی سمجھے ہوئے تھے اس لئے اون کو ضرر نہونے کا اسقدر پختہ یقین تھا جیسے کہ اون کے جواب سے معلوم ہوتا ہے۔ آگے حکایت بیان فرماتے ہیں کہ۔

کرد تہدید وسیاست برزمین	ساحران را چونکہ فرعون لعین

که به برم دست و پاتان از خلاف   پس در آویزم ندارم تان معاف

تم دیکھہ لو کیا ساحرونکو فرعون نے دہمکی نہ دی تہی اور خوف نہ دلایا تہا کہ میں تم لوگوں کے ایک طرف کے ہاتہہ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ ڈالونگا۔ اور اوس کے بعد تم کو لٹکادوں گا اور ہرگز معاف نہ کروں کا۔ لیکن اِس کا اونپر کیا اثر ہوا۔ کچھ بہی نہیں

شرح شبیری

ساحران فرعون کا ہاتھ پیر کٹوانے پر جری ہونے کا سبب

ساحران را نے که فرعون لعین   کرد تهدید و سیاست بر زمین

کیا فرعون لعین نے ساحرونکو تہدید و سیاست زمین پر نہیں کی (کہ یہہ کہا تہا کہ)

که به برم دست و پاتان از خلاف   پس در آویزم ندارم تان معاف

یعنی کہ میں تہارے ہاتھ پاؤں خلاف سے کاٹونگا اور پہر تمکو لٹکاؤں اور معاف نکرونگا خلاف سے کاٹنے کا مطلب یہ کہ اگر داہنا ہاتھ تو بایاں پیر یا اِس کے برعکس غرضیکہ اوس نے دہمکی دی کہ تمہارے ہاتہہ پیر کاٹ کر سولی دے دوں گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

او ہمی پنداشت کایشان در سمان — وہم و تخویف اند و وسواس و گمان

کہ بود شان لرزہ و تخویف و ترس — از توہم ہا و تہدیدات نفس

او نمیدانست کایشان رستہ اند — بر دریچہ نور دل بنشستہ اند

سایۂ خود را ز خود دانستہ اند — چابک و چست و گش و برجستہ اند

ہاون گردون اگر صد بار شان — خورد کوبد اندرین گلزار شان

اصل آن ترکیب را چون دیدہ اند — از فروع وہم کم ترسیدہ اند

این جہان وہم ست اندر ظن ما نیست — گر رود در خواب دستی باک نیست

گر بخواب اندر سرت ببرید گاز — ہم سرت بر جاست ہم عمرت دراز

گر بہ بینی خواب در خود را دو نیم — تندرستی چون بخیزی نے سقیم

حاصل اندر خواب نقصان بدن
نیست باکے از دو صد پاره شدن

این جهان را که بصورت قائم ست
گفت پیغمبر که حلم نائم ست

از ره تقلید تو کردی قبول
سالکان این دیده پیدا بے رسول

روز در خوابی مگو کاین خواب نیست
سایه فرع ست اصل جز مهتاب نیست

خواب و بیداریت آن دان ای عضد
که ببیند خفته کو در خواب شد

او گمان برده که این دم خفته ام
بیخبر زان کوست در خواب دوم

کوزه گر گر کوزه را بشکند
چون بخواهد باز خود قائم کند

کور را هر گام باشد ترس چاه
با هزاران ترس مے آید براه

مرد بینا دید عرض راه را
پس بداند او مغاک و چاه را

پاؤ زانویش نلرزد هر دمے
رو ترش کے دارد او از هر غمے

خیز فرعونا که ما آن نیستیم
که بهر بانگے ز غولے بیستیم

خرقهٔ ما را بدر دوزنده هست
ورنه خود ما را برهنه تن بهست

بے لباس آن خوب را اندر کنار	خوش بگیریم اے عدوِ نابکار
خوشتر از تجرید از تن و زمزیج	نیست اے فرعون بے الہام گیج

وجہ اس دہمکی کی یہ تہی کہ وہ سمجہتا تہا کہ یہ ابھی اسی وہم و گمان اور وسوسہ خوف کی حد میں ہین جہیں پہلے تہے اور اوہام و خیالات اور نفس کی دہمکیوں سے ڈر جاتے اور کانپ جاتے تہے لیکن وہ یہ نہ سمجھا کہ وہ اوہام کے پہندے سے نکل چکے ہیں اور اب وہ اُس درجہ پر بیٹھے ہُوئے ہیں جس سے نورِ قلب داخل ہوتا ہے اور وہ اوس نور کے ذریعہ سے حقائق کو علی ما ہی علیہ دیکھ رہے ہیں اب اونکو اپنی حقیقت اور اپنے سایہ میں امتیاز ہوگیا ہے اسلئے اب وہ بجائے مغموم و محزون ہونے کے چست و چالاک اور خوش و خورم بیا وہ جان چکے ہیں کہ اِس مرکب عنصری کی اصل کچھ اور ہی ہے خواہ روح ہو یا جسم مثالی اسلئے اگر آسمان اون کو اپنی اوکہلی میں سنوار تبہ بہی کوٹے اور اون کے جسم عنصری کو ریزہ ریزہ کردے تب بہی ان پر وہم غالب نہوگا - اور اس سے وہ ذرا بہی نہ ڈریں گے پس تم بہی اون کی تقلید کرو اور اس عالمِ ناسوتی میں دل کو نہ پہنساؤ کیونکہ اس عالم کی وہم و خیال سے زیادہ وقعت نہیں ہے لہذا تمکو مبتلائے گمان نہ رہنا چاہیئے اور تفرق جسم سے ہرگز خوف نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اِس سے تم کو کچہہ بہی ضرر لاحق نہیں ہوتا۔ اب ہم تمکو ایک دوسرے عنوان سے اِسی مقصد کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ دیکھو اگر خواب میں قینچی سے تمہارا سر کاٹ ڈالا جائے تو تمکو اس سے کیا نقصان پہونچتا ہے۔ کچہہ بہی نہیں۔ کیونکہ تمہارا سر اسی طرح قایم رہتا ہے بلکہ بنا بر مشہور یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے تمہاری عمر بڑہتی ہے کیونکہ عوام میں مشہور ہے کہ اگر خواب میں کوئی اپنے کو مردہ دیکھے تو اس سے اوسکی عمر بڑہتی ہے۔ اسیطرح اگر تم خواب میں اپنے کو دیکھو کہ کسی نے میرے دو ٹکڑے کردیئے ہیں تو اِس سے تمکو کیا ضرر ہوتا ہے کچہہ بہی نہیں کیونکہ تم جب بیدار ہوتے ہو تو اسی طرح تندرست ہوتے ہو۔ اور کچہہ بہی نقصان تمہارے اندر نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ

خواب کے اندر بدن میں خرابی واقع ہونے بلکہ سو ٹکڑے ہوجانے کی بھی کچھ پرواہ نہیں
جب یہ امر ممہد ہوچکا تو اب سمجھو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس جہان کو
جو بظاہر قائم معلوم ہوتا ہے سونے والے کا خواب فرمایا ہے۔ گو تم بھی اسکو ضرور مانتے
ہوگے۔ مگر تم نے تو صرف تقلیداً ہی مانا ہے لیکن اہل اللہ نے اسکو تمھاری طرح صرف
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہونے ہی کی وجہ سے نہیں مانا بلکہ اونہوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت اور آپ کے طفیل سے اس کا مشاہدہ
بھی کیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوگیا کہ تم دن میں بھی خواب ہی میں ہو تم یہ نہ کہنا کہ میں
خواب میں نہیں ہوں اور عالم خواب نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اہل اللہ پر اس کا خواب
ہونا منکشف ہوچکا ہے لیکن اگر اونکی بات نہ مانو تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشاد موجود ہے پس جبکہ عالم کا خواب ہونا بھی ظاہر ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا
کہ خواب میں اگر جسم میں تفرق اتصال واقع ہو تو کچھ قابل التفات نہیں لہذا تمکو اسکی
مضرتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ اور اس سے قطع تعلق کرکے حق سبحانہ کے ساتھ مشغول
ہونا چاہیئے علاوہ اِس کے ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ عالم ظل اور پرتو ہے جناب
حق سبحانہ کا اور بلا تشبیہ اسکی اون کے لحاظ سے ایسی ہی مثال ہے جیسے چاندنی اور چاند
بس جس طرح کہ چاندنی فرع ہے چاند کی یوں ہی عالم فرع ہے حق سبحانہ کی اور یہ تمکو معلوم ہے
کہ اصل کو چھوڑکر فرع میں مشغول ہونا سراسر حماقت ہے۔ پس حق سبحانہ کو چھوڑکر عالم میں
مشغول ہونا اور اوسکی مضرتوں سے بچنے اور منفعتوں کو وصول کرنے کی ذہن میں لگنا
سراسر نادانی ہوگا۔ پس اِس سے بھی ثابت ہوا کہ تفرق جسم سے ڈرنا ہرگز نہ چاہیئے
اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کو بھی رفع کردیا جاوے جو عالم کو خواب کہنے پر واقع
ہوتا ہے وہ یہ کہ اس عالم میں دکر ہم کبھی بیدار ہوتے ہیں اور کبھی سوتے ہوتے ہیں۔
پس اگر عالم خواب ہوتا تو سونا جاگنا کیسا۔ تقریر دفع یہ ہے کہ یہ امر مشاہد ہے اور اس کا
انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی آدمی سوتے ہوئے خواب دیکھتا ہے اور اوس خواب میں
اول اپنے کو جاگتے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر خواب ہی میں دیکھتا ہے کہ میں سوگیا

مثلاً ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ میں سفر کر رہا ہوں اور سفر ہی میں اوسکو رات ہوجاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ میں تھک کر ایک مقام پر لیٹ رہا۔ اور مجھے نیند آگئی تو دیکھو کہ وہ خواب میں سمجھتا ہے کہ میں پہلے سے جاگ رہا تھا اور اب سویا ہوں حالانکہ وہ پہلے سے بھی سو رہا تھا اور اب دوبارہ سویا ہے اِس سے تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ خواب کے اندر سونا اور جاگنا دونوں ہو سکتے ہیں۔ بس یہی حالت بالکل عالم کی ہے کہ وہ دراصل ایک خواب ہے آدمی اسمیں اوّلاً اپنے کو جاگتا ہوا جانتا ہے اور اوس کے بعد سمجھتا ہے کہ میں سوگیا۔ اب کوئی شبہ نہ رہا اب ہم تفرق جسم سے نہ ڈرنے کے لئے ایک اور وجہ بھی بتلاتے وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ اگر برتن بنانے والا برتن کو توڑ دیتا ہے تو وہ اگر چاہے تو دوبارہ بنا بھی سکتا ہے۔ بس سمجھنا چاہیئے کہ اگر کسی مصلحت سے حق سبحانہٗ تفریق جسم کریں گے بھی تو دوبارہ بنا بھی سکتے ہیں۔ اگر چاہیں گے اور مصلحت ہوگی تو بنا بھی دیں گے۔ پھر ڈر کس لئے غرضکہ یہ وجوہ ہیں جو مقتضی ہیں اسکو کہ تفرق سے نہ ڈرنا چاہیئے اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ان تمام باتوں کے باوجود آدمی کیوں ڈرتا ہے اس کی وجہ صرف حقیقت ناشناسی ہے دیکھو اندھا چونکہ رستہ سے واقف نہیں ہوتا اسلئے اوسکو ہر قدم پر کنوئیں کا ڈر ہوتا ہے اور بہت ہی ڈرتے ڈرتے رستہ چلتا ہے برخلاف اِس کے دیکھنے والا شخص چونکہ رستہ کی چوڑائی کو دیکھتا ہوتا ہے لہذا وہ گڑھے اور کنوئیں کو آنکھ سے دیکھتا ہے پس جو چیزیں فی الواقع بچنے کی ہیں اون سے احتیاط کرتا ہے اور جو چیزیں بچنے کی نہیں اون کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ ہر وقت اوس کے گھٹنے اور پاؤں میں تھرتھراہٹ ہوتی ہے اور نہ وہ معمولی تکلیف وہ چیزوں سے چین بچیں ہوتا ہے اور اندھا جہاں ڈرنے کی ضرورت نہیں وہاں بھی ڈرتا ہے اور جو بچنے کی چیزیں نہیں انسے بھی کھٹکتا ہے اور ذرا سے خطرہ کو بہت سمجھکر اوس کا دم ہوا ہوجاتا ہے۔ دیکھو چونکہ ساحروںکو حقیقت کا انکشاف ہوگیا تھا اِس لیے اونہوں نے فرعون کی دہمکیوں کے جواب میں صاف کہدیا کہ ارے فرعون بھاگ بھی ہم وہ نہیں کہ ہر بُہتنے کی بات کو صحیح سمجھکر رہروی کو چھوڑ دیں اور رُک جائیں تو کچھ ہی کہہ ہم نہ مانیں گے تو تفریق جسم کی دہمکی دیتا ہے

اچھا تو کاٹ ڈال اول تو خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ ہمارے جسم کو دوبارہ ٹھیک کردے لہذا ہمکو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کبھی مصلحت سے اوس نے ایسا نہ بھی کیا تب بھی ہمکو کچھہ نقصان نہیں بلکہ اور فائدہ ہے کہ تن فی الجملہ قرب حق سبحانہ سے حاجب تہا جب وہ نہ رہے گا تو زیادہ قرب ہوگا اور ہماری اوس عاشق کی سی مثال ہوگی جو کرتہ اُتار کر اپنے معشوق کو آغوش میں لے ظاہر ہے کہ اِس صورت میں اوسکو اپنے معشوق سے بہ نسبت کرتہ پہنے ہونے کے زیادہ قرب ہے اِس سببسے ہماری تو عین خوشی ہے کہ ہم جسم اور مزاج سے الگ ہوجائیں پس یہ تیری دہمکیاں بجائے اس کے کہ خوف و ہراس پیدا کریں اور اشتیاق پیدا کرتی ہیں۔ یاد رکہو کہ "کور را ہر گام باشد ترس چاہ" الی آخر البیت الثالث میں دو مضمون بیان کئے تہے اول عوام کا آلام دنیا میں مبتلا ہونے سے ڈرنا اور اہل اللہ کا نہ ڈرنا۔ دوسرے عوام کا مبتلائے آلام ہوکر پریشان اور چین بجبین ہونا اور اہل اللہ کا نہ گہبرانا اور نہ چین بجبین ہونا اور دونوں باتوں کا منشا حقیقت شناسی و ناحقیقت شناسی کو بتلایا تہا اب ایک تیسری بات بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ اہل اللہ تو حقیقی مضرتوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور عوام ہوجاتی ہیں اس کا کیا سبب ہے اِس مضمون کو مولانا ٹہر اور راونٹ کے سوال وجواب کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور حاصل اوس کا بہی وہی حقیقت ناشناسی او حقیقت شناسی ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

او چنان پنداشت کایشان در ہمان	وہم و تخویف اند و وسواس و گمان

یعنی اوس نے ویسا ہی سمجہا کہ یہ لوگ اوسی وہم اور خوف اور وسواس اور گمان میں ہیں۔

کہ بود شان لرزہ و تخویف و ترس　　　از توہمہا و تحذیرات نفس

یعنی اونکو لرزہ اور خوف اور ڈر نفس کے توہمات اور خوفوں سے ہو جائیگا یعنی اوس کا خیال تہاکہ میرے ڈرانے سے انکا نفس انکو ڈراوے گا اور یہ خوف کے مارے اِس دین سے پہر جاوینگے اور قبول کریں گے مگر۔

او نمیدانست کایشان رستہ اند　　　بر دریچہ نور دل بنشستہ اند

یعنی وہ نہیں جانتا تہاکہ یہ لوگ (اوس حالت سے) چہوٹ گئے ہیں اور نور دل کے دریچہ میں بیٹھے ہیں۔

سایۂ خود را ز خود دانستہ اند　　　چابک و چست و گش و برجستہ اند

یعنی اپنے سایہ کو اپنی ذات سے ممتاز کر لیا ہے اور چست و چالاک اور خوش اور برجستہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دیکہو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تمہارے سایہ کے ایک تلوار مارتا ہوں تو تمہیں کچہہ ہی خوف نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ جانتے ہیں کہ ہمارا کوئی ضرر نہیں ہے اسیطرح چونکہ ان حضرات نے اِس جسم ظاہر کو روح کا ظل اور سایہ سمجہہ رکہا ہے اسلئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم تمہارے اِس جسم کو کاٹ دیں گے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ تو وہ یہی کہیں گے کہ لا ضیر انا الی ربنا المنقلبون اونکی تو یہ شان ہے کہ

ہاون گردون اگر صد بار شان　　　خرد کوبد اندرین گلزار شان

یعنی آسمانکی اوکہلی اگر سو بار اونکو اس گلزار (دنیا) میں ریزہ ریزہ کر کے کوٹ دے۔

اصل این ترکیب را چون دیدہ اند　　　از فروع وہم کم ترسیدہ اند

یعنی چونکہ اِس ترکیب کی اصلیت کو اونہوں نے دیکہہ لیا ہے تو وہ وہم کی زیادتی سے کب ڈرتے ہیں

مطلب یہ کہ اگر اون کے جسم پر سو بار گزند پہونچے تب بھی اونکو پرواہ نہیں اس لئے
کہ اونہوں نے اسکی اصلیت کو معلوم کر لیا ہے پھر وہ کس بات سے ڈریں اون کو ذرا خوف
نہیں ہوتا وہ بالکل بے فکر ہوتے ہیں جانتے ہیں کہ اچھا ہے جتنا حجاب حسن سے
کم ہو اوتنا ہی بہتر ہے آگے مولانا اس حیات دنیوی کو خواب سے تشبیہ دیتے
ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اوس کا ایک ہاتھ مثلاً کسی نے
کاٹ دیا تو اوسکو کوئی خوف ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ جب آنکھ کھلتی ہے معلوم ہو جاتا
ہے کہ خواب کی بات تھی اور وہ خواب میں ایک عارضی ہاتھ تھا ورنہ میرا اصل ہاتھ
تو موجود ہے اور اگر کسیکو خواب ہی میں اتنا ہوش ہو کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں تو
وہ اوس خواب ہی میں سمجھ جاوے گا کہ یہ ساری خواب کی باتیں ہیں اور اوسکو
اس سے مطلق خوف نہو گا۔ تو اسیطرح اس دنیا میں اگر کوئی شخص دیکھے کہ کسی نے
اوس کے جسم کو گزند پہونچایا تو جب اس خواب سے بیداری ہوگی اس وقت معلوم
ہوگا کہ ارے وہ تو ایک عارضی ہاتھ تھا اور اصل روحانی ہاتھ تو موجود ہے اور اگر
کسیکو یہاں دنیا ہی میں اتنا ہوش ہوگا کہ وہ اس حیات کو خواب سمجھتا ہو تو وہ اب
ہی سمجھ جاوے گا کہ اس جسم کے گزند سے میری اصل ذات پر کوئی گزند نہیں پہونچتا
تو بس اوسکو بھی کوئی خوف اوس خواب دیکھنے والے کی طرح نہو گا جب مولانا نے
یہ تشبیہ دی تو کوئی شبہ کرتا ہے کہ اگر یہ زندگی خواب ہے تو پھر اوس میں ہم اور خواب
کیوں دیکھتے ہیں۔ سوتے ہیں اور اوس میں پھر خواب دیکھتے ہیں مولانا فرماتے ہیں
کہ دیکھو تم سوتے ہو اور خواب دیکھتے ہو کہ ہم ایک جگہ سوئے ہیں اور اوسمیں خواب دیکھ
رہے ہیں تو جیسے کہ اس خواب ظاہری میں بھی خواب دیکھ لیتے ہو اسی طرح اس خواب
ہستی میں بھی خواب دیکھ لیتے ہو سبحان اللہ عجیب تحقیق ہے سچ یہ ہے کہ یہ حضرت
اصل محقق ہیں اور اون کے علوم علوم ہیں کہ جس بات کو بیان فرماویں گے اوسکو
بالکل آئینہ کر دیں گے گویا کہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ الٰہی
مولانا کے فیوض سے ہم گنہگار ونکو مستفیض فرما اور ہمارے گناہ اونکی برکت سے معاف فرمائے

اور توفیق حسنات کی عطا فرمائے آمین۔ یہ تو اس کا حاصل ہے اب الفاظ سے بھی سمجھ لو۔ فرماتے ہیں کہ

این جہان خود السبت اندر ظن ما نیست — گر رود در خواب دستی باک نیست

یعنی یہ جہان ایک خواب ہے تم (ہماری اس بات میں) شبہ میں مت کھڑے ہو تو اگر کسی کا خواب میں ہاتھ جاتا رہے تو کوئی بھی خوف نہیں ہے۔

گر بخواب اندر سرت ببرید گاز — هم سرت بر جاست هم عمرت دراز

یعنی اگر خواب میں مقراض نے تمہارا سر کاٹ دیا تو تمہارا سر بھی جگہ پر ہے اور عمر بھی دراز ہے۔

گر ببینی خواب در خود را دو نیم — تندرستی چون بخیزی بے سقیم

یعنی اگر تو خواب میں اپنے کو دو ٹکڑے دیکھے تو تو جب اٹھے گا تندرست ہے اور بے سقیم ہے۔

حاصل اندر خواب نقصان بدن — نیست باکے از دو صد پارہ شدن

یعنی حاصل یہ ہے کہ خواب میں جسم کے نقصان کا اور دو سو ٹکڑے ہو جانے کا کوئی خوف نہیں ہے۔

این جہان را کہ بصورت قائم است — گفت پیغمبر کہ حلم نائم است

یعنی یہ جہان جو کہ صورت میں قایم ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے والے کا خواب ہے۔

حدیث میں ہے الناس نیام اذا ماتوا انتبهوا۔ کہ لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے جاگیں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

از رہ تقلید تو کردی قبول — سالکان این دیدہ پیدا بے رسول

یعنے تونے تو اس حدیث کو تقلیداً قبول کرلیا ہے اور سالکین نے دیکھا ہے اور اونپر بلا واسطہ (تقلید کے) ظاہر ہے یعنی تم تو اس حدیث سے اس زندگی کو جو خواب سمجھے ہو صرف تقلیداً ہی سمجھے ہو اور ان حضرات نے جب اسکو سنا فوراً ان کو وہ مشاہدہ اپنا معلوم ہوا اور وہ اسکو مشاہدۃً و بداہتہً ایسا سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ خود دیکھے ہوئے تھے باقی اس حدیث سے انکو یقین میں زیادتی ہوگئی۔

روز در خوابے مگو کاین خواب نیست — سایہ فرع است اصل جز مہتاب نیست

یعنے تو دن کو بھی خواب میں ہے یہ مت کہہ کہ خواب نہیں ہے اسلئے کہ سایہ تو فرع ہے اور اصل بجز مہتاب کے اور کچھہ نہیں ہے یعنی چونکہ یہ حیاتِ دنیوی مثل خواب کے ہے تو تم اگرچہ بظاہر دن میں بیدار ہو مگر اصل میں دن کو بھی سو ہی رہے ہو آگے اوس سوال کا جواب ہے فرماتے ہیں کہ

خواب بیداریست آن دان اے عضد — کہ ببیند خفتہ کو در خواب شد

یعنے اے بھائی اس بیداری کے خواب کو ایسا جانو کہ جیسے کوئی سونیوالا دیکھے کہ وہ سوگیا ہے۔

او گمان بردہ کہ این دم خفتہ ام — بیخبر زان کوست در خواب دوم

یعنے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اسوقت سویا ہے اور اس سے بے خبر ہے کہ وہ خواب دوم میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس ظاہری بیداری میں جو تم سوکر خواب دیکھتے ہو اوسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے تم خواب میں دیکھتے ہو کہ مثلاً تم ایک مکان میں گئے اور وہاں جاکر سو رہے اور اوس سونے میں خواب دیکھا تو تمہارا اس خواب میں یہ خیال ہے کہ ہم اب سوئے ہیں

حالانکہ تم نتوں پہلے سے سو رہے ہو تو اسی طرح تم جو رات کو سوتے ہو اور خواب دیکھتے ہو
تو تم سمجھتے ہو کہ تم اب سوئے ہو حالانکہ جب سے دنیا میں آئے ہو جب ہی سے سو رہے ہو اور
اس خواب ہستی میں یہ خواب دوسرا دیکھ رہے ہو سبحان اللہ خوب ہی مثال ہے۔ دیکھلو
کیسا واضح ہوگیا ہے کہ کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہا۔ بس بکنے والے یہ اور سمجھنے والے
ہمارے حضرت سلمہم پھر اگر مثنوی میں ایسے مضامین نہوں تو اور کیا ہو۔ آگے پھر اون بیان حرف
کے قصہ کی طرف رجوع ہے اور راون کے قول کو روایت بالمعنی کے طور پر ایک
مثال میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

کوزہ گر گر کوزۂ را بشکند — چون بخواہد باز خود قائم کند

یعنے کوزہ گر اگر کسی کوزہ کو توڑ دے تو پھر جب چاہے اوسکو قایم کر لے تو
اسی طرح اگر حق تعالیٰ اس جسم ظاہری کو فنا بھی فرمادیں تو کیا ہے دوسرا جسم روح کے لیے
عطا فرمادیں گے آگے ایک دوسری مثال ہے کہ

کور را ہر گام باشد ترس چاہ — با ہزاران ترس می آید براہ

یعنے اندھے کو ہر قدم پر کنوئیں کا خوف ہوتا ہے اور ہزاروں خوف سے رستہ
پر آتا ہے۔

مرد بینا دید عرض راہ را — پس بداند او مغاک و چاہ را

یعنے بینا آدمی رستہ کے عرض کو دیکھ لیتا ہے تو وہ کنوئیں کو اور گڑھوں کو
جانتا ہے۔

پاؤ زانوش نلرزد ہر دمے — رو ترش کے دارد او ز ہر غمے

یعنے اوس کا پاؤں اور زانو ہر دم کا نپتا نہیں ہے اور وہ ہر غم سے رو ترش

نہیں رکھتا۔ مطلب یہ کہ جو اندھا ہے چونکہ اوسکو راستہ کی خبر نہیں ہے لہذا ہر ہر قدم پر اوس کو گر جانے کا خوف ہوتا ہے اور جو اندھا نہیں ہے وہ سیدھا راہِ راست پر چلا جاتا ہے اور اوسکو مطلق خوف نہیں ہوتا۔ تو اسی طرح جو شخص کہ اِس راہ سے اندھا ہے اوسکو تو اِس جسم اور اِس حیات کے جاتے رہنے سے خوف ہوتا ہے اور جو اس راہ کو دیکھے ہوئے ہے وہ بیفکری سے چلا جاتا ہے اگر اوس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں تب بھی اوسکو پرواہ نہیں ہوتی تو چونکہ اون ساحروں کو حقیقت منکشف ہوگئی تھی لہذا بالکل بیفکر تھے اور اون کے قلب میں مطلق ہراس نہ تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ اگر یہ جسم نہ رہے تو کیا ہے ہمکو اور ملجاوے گا آگے پہرا ونہیں کا قول نقل فرماتے ہیں کہ وہ بولے کہ

خیز فرعونا کہ ما آن نیستیم　　کہ بہر بانگے زغولے بیستیم

یعنے اے فرعون اُٹھ ہم وہ نہیں ہیں کہ شیاطین کی ہر آواز پر کہڑے ہو جاویں۔

خرقہ ما را بدر دوزندہ ہست　　ورنہ خود ما را برہنہ تن بہ است

یعنے تو ہمارے خرقہ کو پھاڑ　　ے سینے والا موجود ہے ورنہ خود ہمارے لیے ننگا بدن ہی بہتر ہے

بے لباس آن خوب را اندر کنار　　خوش بگیریم اے عدو نابکار

یعنے بے لباس کے اوس حسین کو کنار میں ہم خوب لیں گے اے نابکار دشمن

خوش تر از تجرید از تن و ز مزاج　　نیست اے فرعون بے الہام کج

یعنے اے فرعون بیوقوف بے الہام بدن اور مزاج سے مجرد ہو جانے سے بہتر تو کوئی چیز ہی نہیں ہے خرقہ سے مراد جسم ظاہری۔ خوب سے مراد حق تعالیٰ۔ عدو نابکار سے مراد فرعون مطلب اوپر کے چاروں شعروں کا یہ ہے کہ اے فرعون تو ہمارے

اس جسم ظاہری کو جو روح کے لئے مثل خرقہ کے ہے پہاڑ دالے اور ہلاک کر دالے ہیں اسکی خاک
پرواہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ اسکا سینے والا موجود ہے وہ اسکو فوراً سی دیگا اور پہر ایسا ہی
جسم عطا فرماوے گا اور اگر نہ بہی عطا فرماوے تو کیا ہے ہماری روح برہنہ رہی اچہی ہے
اسلئے کہ یہ جسم تو ایک قسم کا حجاب ہے تو جسقدر حجاب کم ہوں اچہا ہی ہے اگرچہ روح خواہ کتنی
ہی مجرد کیوں نہو جاوے مگر وصل متعارف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن پہر بہی بہ نسبت
اس جسم کے وجود کے تجرد کے وقت زیادہ وصل ہوگا۔ تو اگر یہ جسم نہ رہے گا تو ہمارا
مقصود یعنی وصال حق اور اچہی طرح حاصل ہوگا۔ پہر ہمکو اس جسم کے ضائع ہو جانے اور جاتے
رہنے سے کیا غم ہو۔ ہمیں اسکی پوری حقیقت معلوم ہوگئی ہے یہ بہی اون کے اقوال کی روایت
بالمعنی ہے آگے ایک خچر اور اونٹ کی حکایت لاتے ہیں کہ خچر نے اونٹ سے پوچہا کہ
میرے تو چلنے میں بہت ٹہوکر لگتی ہے اور تیرے نہیں لگتی اسکی کیا وجہ ہے تو اسنے
کہا کہ بات یہ ہے کہ میں رستہ کو دور تک دیکہہ لیتا ہوں اس لیے دیکھ بہال کر چلتا ہوں
اور تجہے دور تک دکہائی نہیں دیتا اسلئے گر جاتا ہے۔ تو مولانا اسپر لاتے ہیں کہ دیکھو کہ
جو اس راہ کی حقیقت سے واقف ہے وہ کبہی خطا نہیں کہاتا بلکہ بالکل بے فکری سے
چلا جاتا ہے اور جو اسکی حقیقت سے واقف نہیں ہے وہ ٹہوکریں کہاتا ہے تو چونکہ
یہ ساحران فرعون حقیقت اس دنیا کی دیکہہ چکے تہے اس لیے بالکل بے فکر تہے اور خوب
مضبوط تہے اور وہ جانتے تہے کہ اگر یہ قتل کر دے گا تو کیا ہے ہم کو حق تعالے
کی طرف جذب ہو جائے گا جیسا کہ اون کے قول انا الی ربنا لمنقلبون سے معلوم ہوتا ہے
اب حکایت سنو فرماتے ہیں کہ

گفت اشتر با شتر کاے خوش رفیق	در فراز و شیب و در راہ عمیق

تو نیائی در سر و خوش میروی	من همی آیم بسر در چون غوی
من همی افتم برو در هر دمے	خواه در خشکی و خواه اندر یمے
این سبب را باز گو با من زچیست	تا بدانم من که چون بایست زیست
گفت از چشم تو چشم من یقین	بیگمان روشن تر ست و دور بین
بعد ازان هم از بلندی ناظرم	زین سبب در نیفتم حاضرم
خوش برآیم بر سر کوهِ بلند	آخر عقبه به بینم هوشمند
پس همه پستی و بالائے راه	دین ام را وا نماید هم آکه
هر قدم من از سر بینش نهم	از عثار و او فتادن وا رهم
تو به بینی پیش خود یک دو سه گام	دانه بینی و نه بینی رنج دام
یستوی الاعمیٰ لدیکم والبصیر	فی المقام والنزول والمسیر

ایک خچر نے اونٹ سے کہا کہ دوست یہ کیا بات ہے کہ اونچے نیچے اور گہرے رستہ میں تو تو سر کے بل نہیں گرتا اور میں گر جاتا ہوں۔ میں خشکی میں بھی اور تری میں بھی بسا اوقات گر جاتا ہوں اس کا سبب مجھے اب تک نہیں معلوم ہوا تو مجھے بتلا کہ کیا

بات ہے تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ بلا گرے پڑے کیونکر زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اونٹ نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میری آنکھ بہ نسبت تمہاری آنکھ کے یقیناً اور بلاشبہ زیادہ روشن ہے اور دوربین ہے اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ میرا سر تمہارے سر کی بہ نسبت اونچا ہے اس لئے میں اونچے سے دیکھتا ہوں اور جو اونچے سے دیکھتا ہے اوسکو دور تک کی چیزیں نظر آتی ہیں پس میں گرانے والی چیزوں کے سامنے موجود ہوتا ہوں اور ان سے غائب نہیں ہوتا یعنی وہ میری نظر میں ہوتی ہیں لہذا میں گرتا ہی نہیں۔ میں پہاڑ پر مزے سے چڑھ جاتا ہوں اور آخری گھاٹی کو نہایت ہوشیاری سے دیکھتا ہوتا ہوں اس لئے نہیں گرتا خلاصہ یہ ہے کہ رستہ کی ہمواری اور ناہمواری حق سبحانہ میرے پیش نظر رکھتے ہیں اور میں ہر قدم دیکھ کر رکھتا ہوں لہذا ٹھوکر اور گرنے پڑنے سے بچا رہتا ہوں۔ برخلاف میرے تمہاری یہ حالت ہے کہ تم بہت ہی کوتاہ بیں ہو۔ اور ایک دو تین قدم سے زیادہ تمہاری نظر نہیں پہونچتی۔ اس لئے تم رستہ تو دیکھ لیتے ہو مگر اوس کے خطرات تک تمہاری نظر نہیں پہونچتی اس لیے تمہاری مثال ایسی ہوتی ہے جیسے وہ جانور جو دانہ تو دیکھے اور مضرت دام اوسکو محسوس نہو۔ جب تمہاری یہ حالت ہے تو بھلا میں اور تم کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تمہارے نزدیک اندھے اور دیکھنے والے۔ ٹھہرنے اور اترنے اور چلنے وغیرہ احوال سفر میں برابر ہو سکتے ہیں جبکہ ایسا نہیں تو تم میری مساوات کی ہوس تمام کیوں رکھتے ہو۔ اب سمجھو کہ جو حالت اونٹ اور خچر کی ہے وہی اہل اللہ اور غیر اہل اللہ کی ہے اہل اللہ چونکہ اشیا کو علیٰ ماہی علیہ دیکھتے ہیں اس لئے وہ حقیقی مضرتوں سے عام طور پر محفوظ رہتے ہیں اور غیر اہل اللہ چونکہ ان سے واقف نہیں ہوتے اس لیے انمیں مبتلا ہو جاتے ہیں مولانا اس مضمون کو استطراداً اور اتمام فائدہ کے لیے بیان کرکے پہر مضمون سابق کیطرف عود کرتے ہیں اور اس استبعاد کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ساحروں کے منجذب بحق سبحانہ ہونے یا تفرق جسم کے بعد اوس کے متصل کرنے پر ہو سکتا ہے اور اسی کے ضمن میں حشر اجساد کے غیر مستبعد ہونے پر بہی تنبیہ فرما دیں گے اور یہ بہی ممکن ہے کہ استبعاد حشر اجساد کا دفع کرنا مد نظر ہو اور جس طرح کہ مضمون ماسبق استطرادی اور متعلق با بیات کور را الخ تہا یہ بہی استطرادی اور مرتبط بہ بیت خرقہ ما را بدر الخ ہو

شرح شبیری

ایک خچر کا اونٹ سے شکایت کرنا کہ مین تو منہ کے بل بہت گرتا ہوں اور تو نہین گرتا۔ مگر شاذ و نادر تو آخر اسکی وجہ کیا ہی اور اونٹ کا جواب دینا

گفت استر باشتر اے خوش رفیق　　در فراز و شیب و در راہ دقیق

یعنے ایک خچر نے اونٹ سے کہا کہ اے اچھے دوست نشیب و فراز میں اور پتلے راستہ میں

تو نیائی در سر و خوش میروی　　من ہمی آیم بسر چون غوی

یعنے تو تو سر کے بل نہیں گرتا اور اچھی طرح چلا جاتا ہے اور میں گمراہوں کی طرح سر کے بل گر جاتا ہوں۔

من ہمی افتم برو در ہر دمے　　خواہ در خشکی و خواہ اندر نمے

یعنے میں تو ہر دم منہ کے بل گرتا ہوں خواہ خشکی میں ہوں یا کہ تری میں ہوں۔

این سبب را باز گو با من کہ چیست　　تا بدانم من کہ چون بایست زیست

یعنی اس سبب کو مجھ سے کہہ کہ کس وجہ سے ہے تاکہ میں جان لوں کہ کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیئے۔

گفت از چشم تو چشم من یقین بیگمان روشن ترست و دوربین

یعنی اونٹ نے کہا کہ (اول تو) یقیناً اور بے گمان میری آنکھہ تیری آنکھہ سے زیادہ روشن اور دوربین ہے۔

بعد ازان هم از بلندی ناظرم زین سبب در رو نیفتم حاضرم

یعنی اس کے بعد یہ ہے کہ میں بلندی سے دیکھتا ہوں تو اس سبب سے میں مُنہ کے بل نہیں گرتا تو میں حاضر ہوں یعنی دیکھ تو میں حاضر ہوں میرا امتحان کرلو کہ یہ باتیں درست ہیں یا غلط۔

خوش بر آیم بر سر کوه بلند آخر عقبه ببینم هوشمند

یعنی میں ایک کوہ بلند پر اچھی طرح آتا ہوں اور گھاٹی کے آخر حصہ کو دیکھ لیتا ہوں اس حال میں کہ ہوشمند ہوتا ہوں۔

پس همه پستی و بالائی راه دیده ام را وانماید هم آله

یعنی پس تمام نشیب و فراز راہ کو حق تعالیٰ میری آنکھہ کو دکھا دیتے ہیں۔

هر قدم من از سر بینش نهم از عثار و اوفتادن وارهم

یعنی میں ہر قدم بصیرت سے رکھتا ہوں تو ٹھوکر اور گرنے سے چھوٹ جاتا ہوں۔

تو نه بینی پیش خود یک دو سه گام دانه بینی و نه بینی رنج دام

یعنی تو اپنے آگے دو تین ایک قدم تک دیکھ لیتا ہے تو دانہ کو تو دیکھ لیتا ہے مگر دام کی تکلیف کو نہیں دیکھتا یعنی دو تین قدم تک سڑک صاف تو دیکھ لی مگر اس کے بعد جو غار ہے اوسکو دیکھا ہی نہیں اس سے گر جاتا ہے۔

یستوی الاعمیٰ لدیکم والبصیر　　فی المقام والنزول والمسیر

یعنی کیا تمہارے نزدیک اعمیٰ اور بصیر ٹہیرنے میں اور اوترنے میں اور چلنے میں برابر ہیں یعنے برابر نہیں ہے تو بس جو راہ کو دیکھ رہا ہے وہ تو بے کھٹکے چلا جاوے گا اور جو اندھا ہے وہ راستہ ہی میں مرے گا آگے پیراون ساحروں کی قصہ کیطرف رجوع ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم مر بھی جاویں گے تو کیا ہے ہم کو حق تعالیٰ جذب فرماویں گے اور ہم اس طرف منجذب ہو جاویں گے اصل مضمون تو یہ ہے اب اِس کے لیئے اول ایک تمہید نہایت نفیس بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون جنین را در شکم حق جان نہد	جذب اجزا در مزاج او نہد
از خورش او جاذب اجزا میکند	تار و پود جسم خود را مے تند
تا چہل سالش بجذب جزوہا	حق حریصش کردہ باشد در نما
جذب اجزا روح را تعلیم کرد	چون نداند جذب اجزا شاہ فرد
جامع این ذرہا خورشید بود	بے غذا اجزات را داند ربود

آن زمانی کہ در آئی تو ز خواب — ہوش و حس رفتہ را خواند شتاب

تا بدانی کان ازو غائب نشد — باز آید چون کہ فرماید کہ عد

ہیں عزیزا درنگر اندر حزت — کہ ببوسیدست و ریزیدہ برت

پیش تو گرد آوریم اجزاش را — آن سر و دم و دو گوش و پاش را

دست نے و جزو برہم مے نہد — پارہ ہا را اجتماعے مے دہد

درنگر در صنعتِ پارہ زنے — کو ہمی دوزد کہن بے سوزنی

ریسمان نے سوزنے نے وقت خرز — آنچنان دوزد کہ پیدا نیست درز

چشم بکشا حشر را پیدا ببین — تا نماند شبہہ ات در یوم دین

تا ببینی جامعیم را تمام — تا نلرزی وقت مُردن زاہتمام

ہمچنان کہ وقت خفتن ایمنے — از فوات جملہ حسہائے تنی

بر حواس خود نلرزی وقت خواب — گرچہ مے گردد پریشان و خراب

کیسکو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بھلا ذراسی دیر میں ساحران فرعون واصل الی اللہ کیسے ہو گئے یا تفرق کے بعد جسم کیونکر مل سکتا ہے اس کے جواب کے لیے اولاً کچھ تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جب بچہ شکم کو حق سبحانہ جان عطا فرماتے ہیں تو اوس کے اندر خواہش جذب غذا اور قوت جاذبہ غذا پیدا کرتے ہیں جس سے کہ اجزا منفصلہ جزو جسم ہو جاتے ہیں اور وہ جنین اوس کے ذریعے سے اجزا جسم مادر کو کھینچتا اور اپنے جسم کو تیار کرتا ہے اور اوسوقت سے لیکر چالیس برس کی عمر تک یہ قوت اوس کے اندر اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود رہتی ہے اور وہ جذب غذا کر کے بڑھتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ حق سبحانہ ہی کا کیا ہوا ہے یہ تو جسم کی حالت تھی اب روح کی حالت سنو۔

حق سبحانہ نے روح کو اپنی غذا کے اجزا کو جذب کرنا سکھلایا ہے اور بہ تعلیم حق سبحانہ وہ بھی اپنی غذا کو جذب کرتی ہے جب یہ امر ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ جب حق سبحانہ دوسروں کو قوت جذب عطا کرتے ہیں تو وہ اجزا کو اپنی طرف کھینچیا یا انکو ایک دوسرے کی طرف بلاضرورت تغذی کھینچنا کیوں نہ جانیں گے۔ بلکہ جب بواسطہ قوت جاذبہ تغذی کے واسطہ ذرات کو جمع کرنے والا ہی آفتاب حقیقی ہے تو وہ بدون توسط قوت جاذبہ اور بلا ضرورت تغذی بھی تمہارے اجزاء کو اپنی طرف یا اون کو آپس میں ایک دوسرے کی طرف لیجانا۔ اور اونکا ملا دینا ضرور جانتے ہیں۔ اب نہ انجذاب ساحران الی الحق مستبعد رہا نہ تفرق اتصال جسم کے بعد اوس کا اتصال۔ نہ حشر اجساد۔ آگے حشر اجساد یا مطلق اتصال تفرق جسم کے امکان وقوع پر مزید تنبیہ فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ دیکھو جب تم خواب سے بیدار ہوتے ہو تو تمہارے ہوش و حواس جو جا چکے تھے حق سبحانہ اونکو فوراً واپس بلا لیتے ہیں۔ اور تم میں آجاتے ہو یہ اسلئے ہے تاکہ تم جان لو کہ وہ اون سے غائب نہوئے تھے بلکہ اس طرح اس کے قبضہ میں تھے کہ جب وہ اون کو واپسی کا حکم دے تو وہ فوراً لوٹ آئیں گے ایک اور تنبیہ فرماتے ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عزیر علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ اے عزیر تم اپنے گدہے کو دیکھو جو تمہارے نزدیک بوسیدہ اور ریزہ ریزہ پڑا ہے ہم تمہارے سامنے ہی اس کے تمام اجزاء سر۔ دُم۔ دو کان

کان - پاؤں وغیرہ کو جمع کرتے ہیں واقعی عجیب قدرت ہے کہ دست متعارف نہیں اور اکسیر ہی اجزا کو ترکیب دیتے اور ٹکڑوں کو ایک جا کر دیتے ہیں۔ دیکھو اگر کوئی پیوند لگانیوالا پُرانے اور پھٹے کپڑہ کو بلا سوئی کے سی دے تو کس قدر عجیب کاریگری ہے۔ پس یہی شان حق سبحانہ کی ہے کہ نہ تاگا ہے نہ سوئی اور جب سیتے ہیں تو ایسا سیتے ہیں کہ جوڑ نہیں معلوم ہوتا ہے یعنی بلا آلات کے ترکیب دیتے ہیں اور ترکیب ایسی عجیب ہوتی ہے کہ جوڑ نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بعد مولانا مضمون سابق کیطرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم تیری گدہے کو زندہ کرتے ہیں تو آنکھ کھول - اور حشر کو دنیا ہی میں دیکھ لے یہ ہم اسلئے کرتے ہیں تاکہ تم کو قیامت کے بارہ میں کچھ بھی شک و شبہ نہ رہے اور تاکہ میری جامعیت کا تمکو پورے طور پر مشاہدہ ہو جاوے۔ اور موت کے وقت تمکو اپنے جسم کے فنا ہونے کا ذرا بھی غم نہو۔ اور تمہاری حالت ایسی ہو جاوے جیسا کہ سونے کے وقت تم کو اطمینان ہوتا ہے اور حواس خسیسہ کے فوت ہونے کا کچھ بھی کھٹکا نہیں ہوتا۔ اور اگرچہ سوتے وقت وہ سب پریشان اور خراب ہو جاتے ہیں مگر تم اونکی اس حالت سے ذرا بھی نہیں گھبراتے دیکھو ان واقعات سے بھی تفرق کا اتصال سے بدلجانا اور حشر اجساد کا واقع ہونا ہر دو غیر مستبعد ثابت ہو گئے۔

چون جنین را در شکم حق جان دھد	جذب اجزاء در مزاج او نہد

یعنی حق تعالے جب پیٹ میں جنین کو روح عطا فرماتے ہیں تو اُس کے مزاج میں جذب اجزا رکھہ دیتے ہیں۔

از خورش او جذب اجزا میکند تار و پود جسم خود را مے تند

یعنی وہ اجزاء غذائیہ کو جذب کرتا ہے اور اپنے جسم کے تار و پود کو تنتا ہے یعنی وہ اجزاء غذائیہ کو جذب کر کے نشو و نما حاصل کرتا ہے یہ حالت تو اوسکی حالت جنینیت میں ہوتی ہے اور جب پیدا ہو لیتا ہے تو اوسوقت یہ ہوتا ہے کہ

تا چہل سالش بجذب جزو ہا حق حریصش کردہ باشد در نما

یعنی چالیس سال تک جذب اجزاء میں حق تعالیٰ اوسکو نشو و نما کے لیے حریص کر دیتے ہیں۔ یعنی بعد پیدائش کے وہ چالیس سال تک نشو و نما کے لیے اجزاء غذائیہ کو جذب کرتا رہتا ہے جب معلوم ہوا کہ بعد روح پڑنے کے انسان کو حق تعالیٰ آخر عمر تک جذب اجزاء غذائیہ تعلیم فرماتا ہے تو اب آگے فرماتے ہیں کہ۔

جذب اجزا روح را تعلیم کرد چون نداند جذب اجزا شاہ فرد

یعنی جذب اجزاء (غذائیہ) جب روح کو تعلیم کیا ہے تو وہ شاہ یکتا خود جذب اجزا کو کیوں نہ جانے گا مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے جب روح کو جذب سکھایا تو خود تو کیوں جذب نہ کریں گے لہٰذا اگر یہاں سے موت ہوگی تو وہ جذب حق ہے کہ اپنے پاس بلا رہے ہیں۔

جامع این ذرہا خورشید بود بے غذا اجزات را اندر ربود

یعنی ان ذرات کا جامع خورشید ہی تھا بے غذا کے وہ تمہارے اجزاء کو ربودہ کرتا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے اجزاء بدنی کا جامع حق تعالیٰ ہی ہے اور روح جو اجزاء کو جذب کرتی ہے اوسمیں تو خود اوسکی غرض بھی ہوتی ہے کہ اوسکو اوس سے غذا ملتی ہے مگر حق تعالیٰ بے اس کے کہ اونکو لالچ غذا وغیرہ کی ہو تمہارے اجزاء کو جذب اور جمع فرماتے ہیں سبحان اللہ آگے تقریب فہم کے لیے اس جذب اجزاء اور جمع اجزا کی

ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ

آن زمانے کہ درآئی تو زخواب ہوش وحس رفتہ را خواند شتاب

یعنی جسوقت کہ تم نیند سے اُٹھتے ہو تو حق تعالیٰ تمہارے گئے ہوئے ہوش وحواس کو جلدی سے بلادیتے ہیں۔

تابدانی کان ازو غائب نشد باز آید چون بفرماید کہ عد

یعنی تاکہ تم جان لو کہ وہ اوس سے غائب نہ تھا اور وہ لوٹ آتا ہے جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ لوٹ مطلب یہ ہے کہ دیکھو تم جب سوجاتے ہو تو تمہارے سارے ہوش وحواس گم ہوجاتے ہیں اوس کے بعد جب جاگتے ہو تو حق تعالیٰ اون کو دوبارہ واپس فرمادیتے ہیں اور تم اونکو پھر جذب کرلیتے ہو تو جس طرح کہ وہ تمہارے اُٹھتے ہی سارے حواس کو جمع فرمادیتے ہیں اور وہ تم سے غافل نہیں ہوتے اسی طرح وہ تم کو جذب فرمالیں گے اور جمع فرمادیں گے آگے حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کی ہڈیوں کے جمع ہونے کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔ کہ دیکھو جس طرح کہ اوسکو حق تعالیٰ نے جمع کیا اسی طرح وہ تمکو جمع فرمالیں گے اور اس جسم ظاہری کے جاتے رہنے سے اونکو جمع میں کوئی دقت نہ ہوگی بلکہ وہ بے اس جسم کے بھی اپنی طرف جذب فرمالینگے

عزیر علیہ السلام کے گدھے کا بعد مرنیکے جمع ہونا اور اسکو اونکی آنکھوں کےسامنے سواری کے قابل ہوجانا

ہین عزیرا در نگر اندر خرت کہ بپوسیدست وریزندہ برت

یعنی (ارشاد حق ہوا کہ) اے عزیر ذرا اپنے گدھے کو دیکھنا کہ تمہارے سامنے وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوگیا ہے۔

پیش تو گرد آوریم اجزاش را　　آن سر و دم و دو گوش و پاش را

یعنی ہم تمہارے سامنے اوس کے اجزار کو جمع کرتے ہیں اسکو سر کو اور دُم کو اور دونوں کانوں کو اور اوس کے پاؤں کو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دست نے و جزو بر ہم مے نہد　　پارہا را اجتماعے مے دہد

یعنی حق تعالیٰ کے ہاتھ نہیں ہے اور اجزار کو ایک دوسرے پر رکھتے ہیں اور ٹکڑوں کو اجتماع دیتے ہیں۔

درنگر در صنعت پارہ زنے　　کو ہمی دوزد کہن بے سوزنے

یعنی ذرا اس پیوند لگانے والے کی صنعت کو دیکھو کہ وہ کہنہ کپڑے سوئی کے سیتا ہے

ریسمان نے سوزنے وقت خرز　　آنچنان دوزد کہ پیدا نیست درز

یعنی سینے کے وقت نہ تاگا ہے نہ سوئی ہے۔ اور ایسا سیتا ہے کہ کہیں درز ظاہر نہیں ہے سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں اپنی طرف نظر کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہے ورنہ قدرت حق کے آگے تو کوئی حیرت کی بات ہے ہی نہیں ہم اپنی حالت کو دیکھیں کہ تاگا نہ ہے اور نہ سوئی نہ تاگا اور پھر اجزا اس طرح جڑیں کہ کہیں درز نہیں سبحان اللہ تعالیٰ علوا کبیراً دیکھیے زخم ہوتا ہے کھال پھٹ کر الگ ہو جاتی ہے اوس کے بعد وہ آکر اس طرح مل جاتی ہے کہ یہ بھی خبر نہیں کہ یہاں کبھی زخم ہوا بھی تہا۔ بھلا بتلاؤ کہ یہ کون کرتا ہے اور اسپر طرہ یہ کہ ہم بدذات لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں مگر پھر رحمت کم نہیں ہوتی شیخ شیرازی خوب فرماتے ہیں ؎

خدائے را ست مسلم بزرگواری و حلم　　کہ جرم بیند و نان برقرار مے دارد

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سچ یہ ہے کہ بس یہ کام سوائے خدا کے کوئی نہیں کرسکتا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ آگے فرماتے ہیں کہ

چشم بکشا حشر را پیدا بہ بین — تا نہ ماند شبہات در یوم دین

یعنی آنکھ کھولو اور حشر کو ظاہر دیکھ لو تاکہ تمکو قیامت کے دن میں شبہ باقی رہے۔ مطلب کہ قیامت میں آخر کیا ہوگا یہی ہوگا کہ سب کو ایک دم سے جمع کردیا جاوے گا۔ اور اجزاء عالم جو منتشر تھے سب ایک جگہ جمع ہو جاویں گے۔ تو پھر جب اسوقت بھی یہ اجتماع ہو رہا ہے صرف اسقدر فرق ہے کہ اسوقت گاہ گاہ ہوتا ہے اور قیامت میں ایک ساتھ ہوگا۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ ذرا غور کرو تو تمکو قیامت میں شبہ نہ رہے اور اِس اجتماع سے ہی استدلال کرلو اور سمجھ لو کہ قیامت برحق ہے سبحان اللہ بس محقق ہو تو ایسا ہو مبصر ہو تو ایسا ہو دیکھئے تو قیامت کا ثبوت اور اوسکا الیقین کس خوبی سے دلایا ہے اے اللہ مولانا کے فیوض سے اس غریب نادار کو بھی محروم نہ فرما۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ آگے پھر ارشاد حق کو عزیر علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ

تا بہ بینی جامعیّم را تمام — تا نہ لرزی وقت مردن زاہتمام

یعنی (ارشاد ہوا کہ میں نے جو یہ گدھے کی ہڈیاں تمکو جمع کرکے دکھادی ہیں یہ اِس لیے ہے) تاکہ تم میری جامعیت کو پوری طرح سے دیکھ لو۔ اور مرنے کے وقت غموں کی وجہ سے نہ کانپو (اور سمجھو کہ اگر یہاں مر بھی جاویں گے تو خوف نہیں ہے اسلیے کہ حق تعالیٰ پھر اسی طرح دوبارہ زندہ فرمالیں گے) آگے مولانا موت کو نیند سے تشبیہ دیکر اوس سے خوف کو دفع فرماتے ہیں کہ

ہمچنان کہ وقت خفتن ایمنے — از فوات جملہ حسہائے تنے

یعنی جس طرح کہ سونے کے وقت تم اپنے حواس بدن کے فوت ہوجانے سے بیخوف ہوتے ہو

بر حواس خود نہ لرزی وقت خواب — گرچہ مے گردد پریشان و خراب

یعنی تم اپنے حواس پر سونے کے وقت کانپتے نہیں ہو اگرچہ وہ پریشان اور خراب ہو جاتے ہیں (اور ان کے پریشان ہو جانے سے تم اسلئے نہیں ڈرتے کہ پھر واپس آجادیں گے تو بھلا پھر موت سے ہی کیوں ڈرتے ہو۔ ارے وہاں بھی تو یہی ہے کہ ان حواس کے جاتے رہنے کے بعد پھر حواس لوٹ آتے ہیں اور بلکہ وہ حواس ان سے کہیں اچھے ہوتے ہیں۔ تو بھلا پھر موت سے خوف کرنے کے کیا معنی ہیں) سبحان اللہ بس دیکھئے یہ ہیں علوم نبوت کس پاکیزگی سے موت کے خوف کی خبر نہونے کو بیان فرمایا ہے آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے اون کے بیٹے مرگئے تھے اور وہ روتے نہ تھے تو اون کے گھر والوں نے کہا کہ تم کیسے سنگدل ہو کہ تم کو رونا نہیں آتا تو وہ بولے کہ میں کیوں روؤں میں تو اون کو زندہ دیکھہ رہا ہوں پھر رونے کی کیا وجہہ ہے۔ (اب یہ زندہ دیکھنا یا تو ذوقاً ہو یا عیاناً ہو کہ چونکہ اون کو اون کی حیات ابدی کا یقین تھا اسلئے وہ اونکو گویا کہ زندہ ہی دیکھہ رہے تھے یا کشف سے اونکو زندہ دکھائی دیتے ہوں۔ غرضکہ جو کچھہ بھی ہو) وہ اون کی موت سے خوش تھے اون کو غم نہ تھا تو اسی طرح موت سے غم ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ زندگی کی اصلیت کو کسی نے خوب بیان کیا ہے کہتا ہے کہ ؎

زیست ایک ماندگی کا وقفہ ہے　　　یعنے آگے چلیں گے دم لے کر

تو جب اس حیات مستعار کی یہ حالت ہے تو اس میں دل لگانا سخت نادانی ہے کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں　　　لیجائیگی گھسیٹ کے آخر زمین میں
جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے　　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اشعار ہی میں مضمون بڑھ گیا مگر اب میں صرف ایک قطعہ اور لکھہ کر آگے حکایت کو لکھتا ہوں۔ کسی نے کہا ہے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت　　　موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا　　　میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

بس اب خوب سمجھ لو کہ یہ دنیا جائے قیام نہیں ہے یہاں سے جا کر وہاں حیات ابدی میسر ہونے والی ہے۔ پھر اس جسم ظاہری کے مرجانے سے اور اس کے گزند پہونچنے سے کیا خوف ہو۔ اے اللہ ہر مسلمان اور خاصکر اس بندۂ ناکارہ کو ہمت اور توفیق عطا فرما اب ناظرین حکایت سنیں فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

بود شیخ رہنمائے پیش ازین	آسمانے شمع بر روئے زمین
چون پیمبر در میانِ امتان	در کشائے روضۂ دار الجنان
گفت پیغمبر کہ شیخِ رفتہ پیش	چون نبی باشد میان قوم خویش
یک صباحے گفت اہلبیتِ او	سخت دل چونے بگو اے نیکخو
ما ز ہجر و مرگِ فرزندانِ تو	نوحہ میداریم بالشت دو تو
تو نمی گرئے نمی زاری چرا	یا کہ رحمت نیست در دل ای کیا
چون ترا رحمے نباشد در درون	پس چہ امیدست ما از تو کنون
ما بامید تو ایم اے پیشوا	کہ نہ بگذاری تو مارا در عنا

چون بیاراید بهر حشر تخت   خود شفیع ما توئے آن روز سخت

در چنان روز و شب بے زینهار   ما باکرام تو ایم امیدوار

دست ما و دامن تست آن زمان   که نماند هیچ مجرم را امان

گفت پیغمبر که روز رستخیز   کے گذارم مجرمان را اشک ریز

من شفیع عاصیان باشم بجان   تا رهانم شان ز اشکنجهٔ گران

عاصیان و اهل کبائر را بجهد   وا رهانم از عتاب نقض عهد

صالحان امتم خود فارغ اند   از شفاعتهائے من روز گزند

بلکه ایشان را شفاعتها بود   گفت شان چون حکم نافذ میرود

هیچ وازر وزر غیرے بر نداشت   من نیم وازر خدایم برفراشت

آنکه بے وزر است شیخ است اے جوان   در قبول حق چو اندر کف کمان

شیخ که بود پیر یعنی مو سپید   معنئے این مو بدان اے نا امید

ہست آن موئے سیہ ہستی او — تا ز ہستیش نماند تار مو

چونکہ ہستیش نماند پیر اوست — گر سیہ مو باشد او یا خود دو موست

ہست آن موئے سیہ وصفِ بشر — نیست آن مو موئے ریش و موئے سر

مہد در عیسے برآرد صد نفیر — کہ جوانان گشتہ ما شیخیم و پیر

گر رہید از بعض اوصافِ بشر — شیخ نبود کہل باشد اے پسر

ور یکے موئے سیہ کان وصفِ ماست — نیست بر وے شیخ و مقبولِ خداست

چون بود موئیش سپید ار با خود است — او نہ پیرست و نہ خاصِ ایزد است

ور سرِ موئے ز وصفش باقی ست — او نہ از عرش خدا آفاقی ست

ما ہمہ امیدوارانِ توئیم — ریزہ چین خوانِ احسانِ توئیم

یک با این جملہ چون بے شفقتے — بہر فرزندان چرا بے رافتے

یا مگر خود دل نمے سوزد ترا — باز گو اے شیخ ما را ماجرا

اوپر فنائے دنیوی پر غم نہونیکا بیان کیا تہا اب اوس کے متعلق ایک حکایت بیان فرماتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے قبل ایک صاحب ارشاد بزرگ تہے جنکو یوں کہنا چاہیئے کہ
وہ زمین پر خدا کے شمع اور تاریکی ضلالت کو مٹانے والے اور گمراہونکو راہ دکہلانے والے
تہے۔ اور در بارۂ نفس ہدایت ایسے تہے جیسے امت کے درمیان نبیؑ کہ وہ لوگوں کو
ہدایت کر کے اون کے لیے جنت کا دروازہ کہولتے تہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے (واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے) کہ شیخ متقدم (فی السن یا فی الفضل)
ایسا ہوتا ہے جیسے کہ اپنی قوم میں نبی اسلئے ہمارا اونکو نبی سے تشبیہ دینا کچہہ بعید نہیں
ایک مرتبہ اون کے گہر کے لوگوں نے اون سے عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو سہی کہ آپ اس قدر
سخت دل کیوں ہیں۔ آپ کے بچوں کی جدائی اور اون کے انتقال کے سبب
ہماری تو کمر ٹیڑہی ہوگئی ہے۔ اور ہم روتے ہیں آپ تو فرمایئے کہ آپ کیوں نہیں روتے
یا کہ آپ کے دلمیں رحم ہی نہیں۔ جب آپ کے دلمیں رحم ہی نہیں تو اب ہم کو آپ سے کیا امید
ہے۔ ہم کو تو آپ سے بڑی توقع ہے کہ آپ ہم کو تکلیف میں نہ چہوڑیں گے اور جبکہ
حشر کے لیئے عرش آراستہ کیا جاویگا تو آپ اوس روز ہمارے شفیع ہوں گے۔ ایسے
بے پناہ دن اور سیاہی آفتاب کے سبب رات میں ہم کو آپ کے اکرام کی بڑی امید ہے
اوسوقت جبکہ کسی مجرم کو امان نہوگی اوسوقت ہمارا ہاتہہ ہوگا اور آپ کا دامن۔ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو روتا نہیں چہوڑ سکتا
میں جان و دل سے عاصیوں کی سفارش کروں گا تاکہ اون کو بہاری شکنجہ سے رہائی دلاؤں
گناہگاروں اور اہل کبائر کو میں کوشش کے ساتہہ پیمان شکنی کے عتاب سے چہڑاؤنگا
میری امت کے نیک لوگ تو اس تکلیف کے دنمیں میری (نجات کے لیے اور عذاب سے
چہڑانے کے واسطے) سفارش کی طرف سے خود ہی بیفکر ہیں بلکہ وہ خود دوسروں کی
سفارش کریں گے اور اون کی سفارش یوں مانی جاوے گی جیسے کہ کسیکا حکم نافذ
ہوتا ہے پس اگر ایسی سفارش کی ضرورت ہے تو گناہگاروں کو لہذا میں یہ مخصوص
سفارش اونہیں لوگوں کی کروں گا اسپر کوئی شبہ نہ کرے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں

لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ۔ کیونکہ اول تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی کسی کی سفارش ہی نہ کر سکے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو سزا نہ ہوگی اور اگر ہو بھی تب بھی شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ حق سبحانہ نے مجھے اس سے ارفع کیا ہے کہ میں وازر اور گناہگار رہوں اب مولانا فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہیں ہی اون کے بعد جو بے گناہ او قابل سفارش ہے وہ شیخ کامل ہے اور اُن کی بات حق سبحانہ کے یہاں یوں ہی مقبول ہوتی ہے جیسے کمان کا تیر نشانہ پر لگتا ہے یا یوں کہو کہ وہ حق سبحانہ کے یوں مقبول ہیں جیسے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے لیکن شیخ کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرنا۔ کیونکہ گو شیخ کے معنی ہیں بڈھا یعنی جس کے بال سفید ہوں مگر بالوں کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔ سیہ بالوں سے مراد اون کی ہستی ہے۔ پس بالوں کے سفید ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کالا بال ایک نہ رہے یعنی ہستی کا نام ونشان باقی نہ رہے پس جبکہ ہستی بالکل نہ رہی اب وہ بڈھا ہوگیا خواہ ظاہری بال بالکل سیاہ ہوں یا کھچڑی ہوں پھر سمجھ لو کہ سیاہ بالوں سے مراد اوصاف بشریہ یعنی صفات ذمیمہ ہیں۔ ڈاڑہی اور سر کے بال نہیں ہیں چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام گہوارہ میں باواز دہل پکار رہے تھے کہ ہم ابھی عرفی جوان بھی نہیں ہوئے بلکہ بچہ ہی ہیں اور حقیقی بڈھے ہوگئے جبکہ بڈھے کے معنی یہ قرار پائے تو اگر کسی میں بعض صفات ذمیمہ موجود ہوں اور بعض زائل ہوچکی ہوں تو وہ شیخ۔ پیر اور بڈھا نہیں ہوا۔ بلکہ ادھیڑ اور ناقص ہے اور اگر صفات رزیلہ میں سے کوئی صفت بھی اس میں باقی نہیں تو وہ شیخ اور مقبول خدا ہے۔ اور جبکہ بال سر اور ڈاڑہی کے سب سفید ہوں مگر ہنوز اوس کی خودی اور ہستی فنا نہیں ہوئی تو نہ وہ پیر ہے اور نہ حق سبحانہ کے خواص اور مخلص عباد اللہ میں ہے اور اگر بال برابر بھی صفات ذمیمہ اس میں باقی ہیں تو وہ حق سبحانہ کا مقرب کامل نہیں۔ بلکہ فی الجملہ دنیا دار ہے۔ اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پیر گھر کے لوگوں کی گفتگو کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گھر کے لوگوں نے کہا کہ ہم سب آپ کے امیدوار ہیں اور آپ کے خوان احسان کے ریزہ چیں ہیں۔ لیکن با اینہمہ آپ اتنے

بے شفقت کیوں ہیں اور بچوں پر آپ کو رحم کیوں نہیں آتا۔ یا آپ کے دل میں درد ہی نہیں فرمایئے تو سہی کیا قصہ ہے +

شرح شبیری

ایک شیخ بزرگوار کا اپنے بیٹوں کی موت پر جزع و فزع نہ کرنا

بود شیخے رہنمائے پیش ازین   آسمانی شمع بر روئے زمین

یعنی ایک شیخ رہنما پہلے زمانہ میں تھے اور وہ روئے زمین پر ایک آسمانی شمع (ہدایت) تھے +

چون پیمبر درمیان امتان   درکشائے روضۂ دار الجنان

یعنی پیمبر کی طرح کہ وہ امتوں کے درمیان میں ہوا و رجنت کے باغ کا دروازہ کھولنے والے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے لوگوں میں ایسے رہنما تھے جیسے کہ پیمبر امت میں ہوا کرتا ہے +

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش   چون نبی باشد میانِ قوم خویش

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیخ آگے چلنے والا اپنی قوم میں مثل نبی کے

ہوا کرتا ہے۔ اشارہ اوس حدیث کی طرف ہے جس کے الفاظ مشہور تو یہ ہیں کہ الشیخ فی قومہ
کالنبی فی امتہ اور جامع صغیر نے اِس حدیث کے الفاظ دو طرح نقل کئے ہیں اور حدیث کو
ضعیف کہا ہے ایک تو اِس طرح کہ الشیخ فی بیتہ کالنبی فی امتہ اور ایک اِس طرح کہ
الشیخ فی اھلہ کالنبی فی امتہ اول تو یہ حدیث سنکر اسکو غلط اور موضوع ہی سمجھا
کرتے تھے مگر چونکہ جامع صغیر نے نقل کیا ہے اگرچہ ضعیف ہی کہا ہے مگر خیر اب انکار نہیں
ہو سکتا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ بوڑھا آدمی اپنے اہل و عیال میں مربی ہوتا ہے۔ لہذا ایسا
ہوتا ہے جیسے کہ نبی اپنی امت میں ہوتا ہے خیر غرض کہ ایک بزرگ بوڑھے پہلے زمانہ میں تھے

یک صباحے گفتش اہلِ بیت او ... سخت دل چونی بگو اے نیک خو

یعنی ایک روز اون کے گہر والوں نے اون سے کہا کہ اے نیک خصلت تم کیسے سخت دل ہو

ما ز ہجر و مرگ فرزندان تو ... نوحہ میداریم با پشت دو تو

یعنی ہم تو تمہارے لڑکوں کے ہجر اور موت سے نوحہ کرتے ہیں کہ دوہرے
ہو جاتے ہیں۔

تو نمی گریی بگو زاری چرا ... یا کہ رحمت نیستت در دل کیا

یعنی تم نہ روتے ہو اور نہ زاری کرتے ہو تو کیا اے دانا تمہارے دل میں رحم ہی
نہیں ہے +

چون ترا رحمے نباشد در درون ... پس چہ امیدست مان از تو کنون

یعنی جبکہ تمہارے دلمیں رحم ہی نہیں ہے تو پہر ہمکو تم سے اب کیا اُمید ہے۔

ما بہ امید توئیم اے پیشوا ... کہ نہ بگزاری تو ما را در عنا

یعنی اے پیشوا ہم تو اس امید میں ہیں کہ آپ ہمکو (قیامت کے روز) مصیبت میں نہ چھوڑیں گے +

چون بیارا ئید روز حشر تخت — خود شفیع ما تو ئی آن روز سخت

یعنی جبکہ حشر کے دن تخت سنواریں گے تو (ہمیں امید ہے کہ) خود آپ ہی اوس سخت دن میں ہمارے شفیع ہوں گے۔

در چنان روز و شبے زینہار — ما با کرام تو ئیم امیدوار

یعنی ایسے بے پناہ روز و شب میں ہم تو آپ ہی کے اکرام کے امیدوار ہیں۔

دست ما و دامن تست آن زمان — کہ نماند ہیچ مجرم را امان

یعنی اوسوقت آپ کا دامن ہوگا اور ہمارا ہاتھ ہوگا جسوقت کہ کسی مجرم کو امن نہ رہیگا (تو جب تمہارے دل میں رحم ہی نہیں ہے تو اب کیا امید ہے کہ شفاعت کروگے) اور یہ کہا

گفت پیغمبرؐ کہ روز رستخیز — کے گذارم مجرمان را اشک ریز

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو روتا ہوا کب چھوڑوں گا۔ حدیث میں صاف ہے کہ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی اور فرمایا ہے کہ

من شفیع عاصیان باشم بجان — تا رہانم شان ز اشکنجہ گران

یعنی میں جان و دل سے عاصیوں کا شفیع ہونگا تا کہ اونکو شکنجہ گراں سے چھڑاؤں۔

عاصیان و اہل کبائر را بجہد — وا رہانم از عتاب نقض عہد

یعنی عاصیوں اور اہل کبائر کو کوشش کر کے میں نقض عہد کے عتاب سے چھڑاؤں گا۔

صالحانِ امتِ من فارغ اند از شفاعتہائے من روزِ گزند

یعنی میری امت کے صالحین تو قیامت کے روز میری شفاعت سے فارغ ہوں گے۔

بلکہ ایشان راشفاعتہا بود گفت شان چون حکم نافذ میرود

یعنی بلکہ خود اونکی ہی شفاعت ہوگی اور اونکی عرض حکم نافذ کی طرح چلے گی۔ صالحین کے لیے شفاعت نہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایسی شفاعت جو منجی من النار ہو اون کے لیئے نہوگی باقی اہل حق کہتے ہیں کہ شفاعت اون کے لیے بہی ہوگی اور اِس شفاعت سے ترقی درجات ہوگی اور وہ حضرات پہر خود بہی شفاعت فرماویں گے اور اونکی شفاعت بہی منجی من النار ہوگی اور حق تعالیٰ اون کی عرض کو اس طرح مانیں گے جیسے کہ کوئی حاکم حکم کرے اور اوس کا حکم نافذ ہوجاتا ہے اور ٹلتا نہیں ہے اسی طرح ان حضرات کی شفاعت رائیگاں نہوگی بلکہ حق تعالیٰ ضرور قبول فرماویں گے آگے مولانا آیت لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ میں علاوہ تفسیر مشہور کے ایک اور نکتہ بیان فرماتے ہیں تفسیر مشہور تو یہ ہے کہ قیامت میں ایسا نہوگا کہ گناہ تو کرے زید اور اوسکی سزا عمر و بھگتے بلکہ اپنے اپنے اعمال کی سزائیں اور جزائیں سب کو الگ ملیں گی مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے اِس سے نکلتا ہے کوئی وازر کسی دوسرے کا وزر نہ اوٹہاویگا اور کسیکا بوجہہ کسی پر پڑیگا اور بوجہہ پڑنے کے معنی ذمہ داری کے بہی آتے ہیں بولتے ہیں کہ اوس نے اوس کا سارا بوجہہ اوٹہار کہا ہے۔ یعنی اوسکی ساری ذمہ داری کر رکہی ہے تو اِس سے یہ بہی نکلا کہ ایک شخص دوسرے کا ذمہ دار بہی نہوگا اور حالانکہ حضور ذمہ دار ہوں گے تو مولانا فرماتے ہیں کہ اِس سے مراد یہ ہے کہ حضور ذمہ دار تو ہوں گے اور سب کا بوجہہ اپنے اوپر لینگے مگر اس بوجہہ کے لینے سے خود حضورؐ پر کوئی بات ہو یہ نہوگا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کا کوئی اثر نہوگا۔ اسلئے کہ آیت میں تو یہ ہے کہ کوئی وازر دوسرے کا بوجہہ نہ اوٹہاوے گا اور حضور خود وازر ہیں نہیں ایسا بوجہہ کہ جس کا اثر خود حضور صلی اللہ

علیہ وسلم پر کوئی ہو نہ اُٹھا دیں گے یعنی ایسا نہ ہوگا کہ جیسے عیسائی عیسے علیہ السلام کی نسبت
کہتے ہیں کہ وہ سب کی طرف سے کفارہ ہو گئے اون کا مطلب تو یہ ہے کہ سب کی طرف سے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام معذب ہوئے نعوذ باللہ اور بقول اون کے حضرت عیسے
علیہ السلام اورونکو مقبول بنانیکو خود مردود بنے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی مقبولیت اس درجہ ہے کہ خود مقبول رہا اور اورونکو بھی مقبول بنالیا خوب سمجھ لو۔ تو نہ ہم عیسے
علیہ السلام کے اس طرح وازر ہونے قائل اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ بلکہ معنی یہ ہوئے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ذمہ داری فرماویں گے اس طرح کہ آپ پر اون کے اوزار کا
کوئی اثر نہو گا۔ اب اس مضمون کو مولانا بیان فرماتے ہیں بزبان حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
یعنی گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما رہے ہیں کہ

ہیچ وازر وزر غیرے بر نداشت — من نیم وازر خدایم بر فراشت

یعنی کسی وازر نے دوسرے کا وزر نہیں اُٹھایا ہے اور میں وازر ہی نہیں ہوں خدا نے
مجھے بلند فرمایا ہے مطلب یہ کہ میں وازر ہی نہیں تو میں اِس طرح کہ اوس وزر کا اثر کچھ مجھپر رہے
میں کسیکا وزر نہ اوٹھاؤں گا اسلئے کہ آیت میں یہ ہے کہ وازر کوئی کسیکا وزر نہ اوٹھاویگا
ہاں جو ذمہ داری ہوگی وہ اِس عموم میں داخل ہی نہیں ہے یہ ایک نکتہ ہے باقی اصل تفسیر
وہی ہے جو مشہور ہے اسلئے اوس کی توضیح اپنے نزدیک اچھی طرح کر دی گئی ہے تاکہ کوئی
اسکو تفسیر نہ خیال کرے اور خلط بحث نہ ہو جاوے فافہم آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

آنکہ بے وزر ست شیخ ست اے جوان — در قبول حق چو اندر کف کمان

یعنی جو کہ بے وزر (گناہ) ہے اے جوان وہی شیخ ہے اور قبول حق میں وہ مثل کمان کے
ہے ہاتھ میں۔ مطلب یہ کہ جس طرح ہاتھ میں کمان ہوتی ہے اسی طرح وہ شیخ بے وزر قبولِ
حق میں ہے کہ جس طرح وہ چاہے اوسکو رکھے۔ اوسکو کچھ عذر نہیں ہے آگے
شیخ کی تعیین فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ کہ بود پیر یعنی مو سپید　　معنے این مو بدان اے با امید

یعنی شیخ کون ہے بڈھا یعنی سفید بال والا (لیکن ذرا) اِس بال کے معنی سمجھہ لو اے امرا(؟)

ہست آن موئے سیہ ہستی او　　تا ز ہستیش نماند تار مو

یعنی موئے سیاہ سے مراد اوسکی ہستی ہے یہان تک کہ اوسکی ہستی سے ایک تار مو نہ رہے۔

چونکہ ہستیش نماند پیر اوست　　گر سیہ مو باشد او یا خود دو موست

یعنی جب اوسکی ہستی نہ رہی تو وہ پیر ہوگیا اگرچہ وہ سیہ مو ہو یا اوس کے دو ہی بال ہوں مطلب یہ ہے کہ ہماری مراد بالوں سے ہستی ہے اور سیاہ بالوں سے مراد ہستی تاریک لو سفید بال سے مراد ہستی نورانی ہے تو اب ہم جب کہتے ہیں کہ شیخ سفید بال والا ہوتا ہے اِس سے مقصود یہ ہے کہ شیخ وہ ہوتا ہے جسکی ہستی نورانی ہو چکی ہو۔ اور وہ درجہ فنا کا حاصل کرکے درجہ بقا باللہ حاصل کر چکا ہو۔ اگرچہ وہ ابھی بچہ ہی ہو شیخ شیرازی بھی اسی مضمونکو فرماتے ہیں کہ ع بزرگی بعقل ست نہ بہ سال آگے مولانا بھی اِس مضمون کو بہت صاف کرکے فرماتے ہیں کہ۔

ہست آن موئے سیہ وصف بشر　　نیست آن مو موئے ریش موئے سر

یعنی سیاہ بال وصف بشری ہے اور وہ ڈاڑہی یا سر کے بال (مراد) نہیں ہیں آگے ایک نظیر پیش فرماتے ہیں کہ دیکھو بچپن میں ہی وہ شیخ تھے فرماتے ہیں کہ۔

عیسے اندر مہد بر دارد نفیر　　کہ جوان ناگشتہ ما شیخیم و پیر

یعنی عیسے علیہ السلام گہوارہ میں آواز بلند فرماتے ہیں کہ ہم بے جوان ہوئے

۱۵ مئی ۹ ع

شیخ اور پیر ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا تو دیکھو ابھی گہوارہ میں پڑے ہیں اور نبوت کا دعوے ہے تو اگر اوس سفیدی سے مراد بالوں کی سفیدی ہوتی تو یہاں کیا معنے ہوتے بس معلوم ہوا کہ باطنی سفیدی سے مراد ہستی کا نورانی ہو جانا ہے اسمیں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آیا عیسے علیہ السلام بچپن میں نبی تھے یا نہ تھے بعض لوگ اس آیت میں تاویل کرتے ہیں مگر کیا ضرورت ہے کہ تاویل کیجائے اسلئے کہ بچپن میں نبی ہونے کی صورت میں یہی اعتراض ہے کہ عقل کامل نہ تھی اور نبوت کیسے مل گئی اسلئے کہ نبی کی عقل تو کامل ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حق تعالی نے اوس عمر میں اونکی عقل کو کمال عطا فرما دیا ہو جیسا کہ یحیی علیہ السلام کو بچپن میں نبوت مل گئی تھی خود قرآن شریف میں موجود ہے ارشاد ہے واتیناہ الحکم صبیا۔ تو جس طرح اون کو بچپن میں مل گئی اُنکو اگر رضاعت کے زمانہ میں مل گئی ہو تو کیا عجب ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون یکے موئے سیاہ کان وصف ماست ۔۔۔ نیست بر وے شیخ و مقبول خداست

یعنی جبکہ ایک موئے سیاہ جو کہ ہمارے وصف میں سے ہے اوس میں نہیں ہے تو وہ مقبول خدا ہے مطلب یہ کہ اگر اوصاف بشری جو کہ مشابہ موئے سیاہ کے ہیں کسی میں نہوں بس وہی مقبول حق ہے چاہے اوس کے بدن کے سارے بال سیاہ ہی ہوں۔

چون بود مویش سفید ار با خود است ۔۔۔ او نہ پیر است و نہ خاص ایزد است

یعنی اگر اوس کے بال (بدن کے) سفید ہوں تو اگر باخود ہے تو وہ نہ پیر ہے اور نہ خاص خدا ہے مطلب یہ کہ جب اوس کے اندر اوصاف بشری اور شہوات موجود ہیں تو وہ اگرچہ سفید بال والا ہو اور اوسکی پلکیں اور بھویں سب سفید ہو گئی ہیں مگر وہ باخدا نہیں ہے بلکہ باخود ہی ہے اور فرماتے ہیں کہ

گر رہید از بعض اوصاف بشر　　شیخ نبود کہل باشد اے پسر

یعنی اگر بعض اوصاف بشری سے تو چھوٹ گیا (اور بعض اوس میں موجود ہیں) تو صاحبزادے وہ شیخ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ادھیڑ ہے یعنی وہ اس کے مثل ہے کہ جس کے کچھ بال سفید ہوں اور کچھ سیاہ ہوں

در سر موئے ز وصفش باقی است　　او نہ از عرش خدا آفاقی است

یعنی اور اگر سر مو اوسکے وصف میں سے باقی ہے تو وہ عرش خدا سے نہیں ہے بلکہ آفاقی ہی ہے مطلب یہ کہ اگر اوسکو پوری طرح درجہ فنا حاصل نہیں ہے تو وہ مقرب حق اور خاص حق نہیں ہے بلکہ ابھی وہ ناسوت ہی میں پھنسا ہوا ہے۔ تو بس اس ساری تقریر سے معلوم ہوا کہ تمام صلحاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ آگے پھر اون گھروالوں کا قول اون بزرگ سے نقل فرماتے ہیں کہ۔

ما ہمہ امیدواران تو ایم　　ریزہ چین خوان احسان تو ایم

یعنی ہم سارے کے سارے آپ کے امیدوار ہیں اور آپ کے خوان احسان کے ریزہ چین ہیں یعنی آپ نیک ہیں صالح ہیں تو ہم سب کو امید ہے کہ آپ ہماری شفاعت کریں گے ✢

لیک با این جملہ چون بے شفقتے　　بہر فرزندان چرا بے رقتی

یعنی لیکن باوجود ان سب باتوں کے کہ آپ بے شفقت کیوں ہیں اور اپنے صاحبزادوں کے لیے بے رقت کیوں ہیں مطلب یہ کہ آخر آپ کو رونا کیوں نہیں آتا۔ حالانکہ آپ ایسے بزرگ ہیں نیک ہیں صالح ہیں۔

یا مگر خود دل نمی سوزد ترا　　باز گو اے شیخ ما را ماجرا

یعنی یا کہ شاید آپ کے دلمیں سوزش ہی نہیں ہوتی اے شیخ ہم سے کچھ بات تو بیان کرو مطلب یہ کہ آیا آپ کے قلب میں شفقت و رحم ہی نہیں رہے یا یہ کہ آپ کے دلمیں سوزش ہی نہیں ہوتی - آخر کچھ کہو تو آگے وہ شیخ جواب دیتے ہیں کہ

شرح حبیبی

شیخ گفت او را مپندار اے رفیق
کہ ندارم رحم و مہر دل شفیق

بر ہمہ کفار ما را رحمت است
گرچہ جانِ جملہ کافر نعمت است

بر سگانم رحمت و بخشایش است
کہ چرا از سنگہاشان مالش است

آن سگے کہ مے گزد گویم دعا
کہ ازین خو وارہانش اے خدا

این سگانرا ہم درین اندیشہ دار
کہ نباشد از خلائق سنگسار

زان بیا ورد اولیا را بر زمین
تا کند شان رحمۃ للعالمین

خلق را خواند سوئے درگاہ خاص
حق را خواند کہ وافر کن خلاص

جهد بنماید ازین سو بهر بهر — چون نشد گوید خدایا در مبند

رحمت جزوی بکل پیوسته شد — رحمت کل را تو هادی این بود

تاکه خیرست او ندا اندر راه بحر — هر غدیری را کند اشباه بحر

چون ندا اندر راه یم ره کی برد — سوئے دریا خلق را چون آورد

متصل گردد به بحر آنگاه او — ره برو تا بحر همچون سیل جو

ور کند دعوی به تقلیدی بود — نز عیان وحی و تائیدی بود

گفت پس چون رحم داری بر همه — همچو چوپانی بگرد این رمه

چون نداری نوحهٔ فرزند خویش — چونکه فصاد اجل زد شان به نیش

چون گواه رحم اشک دیده‌هاست — دیدهٔ تو بی نم و گریه چراست

شیخ دانا زین عتابش گرم شد — در سخن یکباره بی آزرم شد

رو بزن کرد و بگفتش کای عجوز — خود نباشد فصل دی همچون تموز

جملہ گر مردند ایشان و رحی اند	غائب و پنہان ز چشم دل کے اند
من چو بینم شان معین پیش خویش	از چہ رو زاری کنم ہمچون تو ریش
گرچہ بیرون اند از دورِ زمان	با من اند و گرد من بازی کنان
گریہ از ہجران بود یا از فراق	با عزیزانم وصال ست و عناق
خلق اندر خواب مے بینند شان	من بہ بیداری ہمی بینم عیان

شیخ نے فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مجھے محبت نہیں اور میرے دل میں شفقت نہیں کیونکہ ہماری شفقت کی تو یہ حالت ہے کہ ہم کو کفار پر بھی رحمت ہے اگرچہ وہ لوگ ناشکر ہیں اور ہماری رحمت و عنایت تو کتوں پر بھی ہے اور ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ یہ کمبخت پتھروں سے کیوں مار کھاتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی کتا کسیکے کاٹتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تو اسکی یہ بری خصلت چیڑا دے اور کتونکو اس خیال میں مشغول رکھہ کہ وہ کسیکو نہ کاٹیں اور لوگونکی اینٹیں نہ کہائیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے اولیاء اللہ کو زمین پر اسی لیے پیدا کیا ہے کہ اونکو تمام عالم کے لیے یوں رحمت بناوے کہ وہ مخلوق کو حق سبحانہ کی طرف دعوت دیں اور حق سبحانہ سے دعا کریں کہ اے اللہ انکو ذمایم سے پوری رہائی عطا فرما۔ اور وہ اسطرف نصیحت کے لئے پوری کوشش کریں جب ادہر نصیحت کارگر نہو تو کہیں کہ اے اللہ تو رحمت کا دروازہ مت بند کر۔ اور تو اپنی رحمت سے اونکو اس بلا سے نجات دے۔ اور اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ ہادی حقیقی تو رحمت کاملہ و تامہ حق سبحانہ ہے۔ مگر اہل اللہ کی رحمت ناقصہ اوس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے اسمیں فنا ہوگئی ہے اسلئے اسپر وہی آثار مرتب ہوتے ہیں جو رحمت حق سبحانہ پر

ہوتے ہیں اور رحمت حق سبحانہ عام ہے اسلئے اہل اللہ کی شفقت بھی عام ہے اور جب تک کہ رحمت ناقص رہتی ہے اوسوقت تک اوسے اوس بحر رحمت کا راستہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔ جو تالاب اور رحمت ناقصہ کو اپنے میں جذب کر کے مشابہ سمندر بن سکتی ہے۔ اور جبکہ وہ اوس دریا کا راستہ ہی نہیں جانتی تو خود اوس تک پہونچ کیسے سکتی ہے اور مخلوق کو اوس سمندر تک پہنچا کیسے سکتی ہے۔ ہاں اگر اوسکو سمندر کے ساتھ اتصال ہو جاوے اُس وقت وہ سمندر میں ندی نالوں کی طرح ملکر اوس میں جذب ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہہ بات نہیں حاصل ہوئی اور اوسپر بھی آدمی لمبے چوڑے دعوے کرے تو وہ دعاوی تقلیدی اور سنے سُنائے ہیں مشاہدہ اور الہام اور تائید حق سبحانہٗ کے سبب نہیں ہیں خیر یہ گفتگوے استطرادی تو ختم ہوئی۔ اب سُنو کہ اون کے گہر کے لوگوں نے کہا کہ جب آپ سب پر رحم کرتے ہیں اور سب کی آپ یوں ہی حفاظت کرتے ہیں جس طرح کہ چرواہا مکریوں کی تو پہر یہ کیا بات ہے کہ آپ کو اپنی بچوں پر رونا نہیں آتا۔ جبکہ فصاد اجل نے اون کے نشتر مار کر اون کو ہلاک کر دیا۔ نیز جبکہ رحم دل کے گواہ آنکھوں کے آنسو ہیں تو پہر آپکی آنکھوں میں آنسو اور تری کیوں نہیں شیخ دانا کو اس ملامت سے جوش آگیا اور عورت کی طرف متوجہہ ہو کر تیز لہجہ میں یوں خطاب فرمایا کہ بڑی بی بات یہ ہے کہ بہار و خزاں جاڑا۔ اور گرمی یکساں نہیں ہوتے۔ اسی طرح عوام و خواص بھی یکساں نہیں۔ میرے سب بچے خواہ مردہ ہوں یا زندہ میرے چشم قلب کے سامنے ہیں اور مخفی و غائب نہیں جب میں اونکو اپنے سامنے مشخص دیکھہ رہا ہوں تو میں آپکی طرح اپنا منہ کیوں نوچوں۔ گو وہ زمانہ سے باہر ہیں مگر میرے پاس ہیں اور میرے گرد کھیلتی ہیں آپ غور کریں کہ رونے کا سبب یا محبوب کا محب کو چھوڑ دینا ہوتا ہے یا اوسکا دور ہونا۔ اور مجھے اپنے پیاروں سے اتصال اور قرب ہے۔ تو پہر میں کیوں روؤں لوگ تو اون کو خواب میں دیکھتے ہیں اور میں بیداری میں دیکھہ رہا ہوں۔ آگے اوسکا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور کہتے ہیں ؛؛

شیخ کا لڑکوں کے مرجانے پر نہ رونے کا عذر بیان کرنا

شیخ گفت او را مپندار اے رفیق — کہ ندارم رحم و مہر و دل شفیق

یعنی شیخ نے اوس (بیوی) سے کہا کہ اے رفیق تو یہ مت سمجھہ کہ میں رحم اور محبت اور شفیق دل نہیں رکھتا ٭

بر ہمہ کفار ما را رحمت است — گرچہ جانِ جملہ کافر نعمت است

یعنی ہمکو تو تمام کفار پر بھی رحم ہے اگرچہ تمام کفار کی جان نعمت ہی مطلب یہہ کہ بھلا ہمکو اپنے لوگوں پر تو رحم کیوں نہ ہوگا۔ ہم کو تو کفار پر بھی رحم آتا ہے کہ افسوس یہ راہ حق کو دیکھتے نہیں حالانکہ وہ سارے کفران نعمت حق کرتے ہیں مگر ہم کو اونپر بھی رحم آتا ہے آگے اور ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ کفار تو پھر بھی انسان ہیں، ادنہیں تو یہ اشتراک بھی ہے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کہ۔

بر سگانم رحمت و بخشایش است — کہ چرا از سنگہا شان مالش است

یعنے مجھے تو کتوں پر بھی رحم اور بخشایش ہے کہ انکو کیوں پتھروں سے مالش ہے مطلب کہ اونپر بھی رحم آتا ہے کہ کیوں بھونکتے ہیں جو اسکی وجہ سے ان کے پتھر لگتے ہیں۔ آگے اس معنی کی خود ہی تصریح فرماتے ہیں کہ۔

آں سگے کہ می گزد گویم دعا　　　کہ ازیں خو وارہانش ایخدا

یعنی جو کتا کہ کاٹتا ہے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ایخدا اس کو اس خصلت سے چھڑا دیجئے (اور یہ دعا کرتا ہوں کہ)

ایں سگاں راہم دریں اندیشہ دار　　　کہ نباشند از خلائق سنگسار

یعنی ان کتوں کو اس فکر میں رکھ کہ یہ مخلوق سے سنگسار نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی اس خصلت کو بدل دیجئے۔ تاکہ یہ سنگسار نہ ہوسکیں۔

زاں فرستاد انبیا را بر زمیں　　　تاکند شاں رحمۃ للعالمیں

یعنی حق تعالےٰ نے اسی لئے انبیاؑ کو زمین پر بھیجا ہے تاکہ اُن کو رحمۃ للعالمین بنا دے۔

خلق را خواند سوئے درگاہ خاص　　　حق را خواند کہ وافر کن خلاص

یعنی یہ حضرات مخلوق کو تو درگاہ خاص حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اور حق سے دعا کرتے ہیں کہ خلاصی کو وافر کیجئے۔

جہد بنماید ازیں سو بہر پند　　　چوں نشد گوید خدایا در مبند

یعنی وہ اس طرف سے تو نصیحت میں کوشش فرماتے ہیں۔ اور جب (وہ کارگر) نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ اے خدا دروازۂ (رحمت) بند کر۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاؑ کو زمین پر جہان کے لئے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق بنا کر بھیجا۔ اور اس صفت میں سب سے زیادہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے کہ لوگوں کو تو اللہ کیطرف بلاویں۔ اور اللہ میاں سے کہیں کہ اے اللہ ان کو توفیق ایمان کی نصیب فرما۔ تو چونکہ میں (یعنی وہ شیخ) ان کا ظل ہوں۔ اور میرے اندر بھی وہ اثر آیا ہے لہذا میں بھی تمام چیزوں

پر رحم کرتا ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

رحمت جزوی بُود مر عام را　　رحمت کلی بود ہمام را

یعنی رحمت ناقص تو عوام کو بھی ہوتی ہے۔ مگر رحمت کامل بزرگ ہی کو ہوتی ہے۔ آگے بزرگوں کی رحمت کے کامل ہونیکا راز بیان فرماتے ہیں کہ۔

رحمت جزوش قرین گشتہ بکل　　رحمت دریاست ہادی سبل

یعنی ان کی رحمت جزوی اوس کامل کے قرین ہوگئی ہے۔ اور رحمت دریا ہادی سُبل ہی مطلب یہ کہ اول تو ان کی رحمت بھی رحمت جزوی ہی تھی۔ مگر چونکہ وہ رحمت حق کے ساتھ جو کہ رحمت کاملہ ہے مقرون ہوگئی ہے۔ اور اسی سے مستفیض ہو رہی ہے اس لئے وہ بھی کامل ہوگئی ہے۔ آگے مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

رحمت جزوی بکل پیوستہ شو　　رحمت کل را تو ہادی بین و رو

یعنی تم بھی رحمت ناقص ہو کل سے پیوستہ رہو۔ اور رحمت کل کو ہادی دیکھکر چلے چلو مطلب یہ کہ ابھی تو تم ناقص ہو۔ اور تمہاری رحمت بھی ناقص ہے۔ تو اس کامل کے ساتھ پیوستہ ہو جاؤ۔ یا تو حق تعالیٰ کے ساتھ یا ان حضرات کے ساتھ جو کہ حق سے مستفیض ہو کر کامل ہو چکے ہیں۔ غرضکہ تم کاملوں کیساتھ لگے رہوگے تو انشاء اللہ کامل ہو جاؤ گے۔ آگے ایک غلطی رفع فرماتے ہیں کہ

تا کہ جزو ست او نداند راہ بحر　　ہر غدیرے را کند اشباہ بحر

یعنی جب تک کہ وہ ناقص ہے راہ بحر کو نہیں جانتا۔ اور ہر تالاب کو بحر کے مشابہ کر دیتا ہے۔ یہاں نقص سے مراد نقص علمی ہے۔ ورنہ اگر نقص حالی مراد ہوتا تو وہ تو ہر ایک کو پیش آتا ہے کہ جب وہ اوس کامل سے پیوستہ ہونا چاہیگا تو وہ تو یقیناً ناقص الحال ہی ہوگا۔ تو یہاں

مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہ ناقص الحال ہو اور ناقص العلم بھی ہو۔ وہ اس بحر تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ کمال علمی کا ہونا ضروری ہے کہ جس سے بصیرت و معرفت ہو۔ ورنہ اگر معرفت ہی نہ ہو گی۔ تو پیوستہ کس کے ساتھ ہو گا۔ تو جب نقص علم ہو گا تو وہ ناقص کو کامل اور بالعکس سمجھ جاوے گا۔ اور بحر اور دریا اور یم وغیرہ سب سے حق تعالےٰ مراد ہیں اور ان تشبیہات کا صحیح ہونا کئی مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے۔

چوں نداند راہ یم رہ کے برد ۔ سوئے دریا خلق را چوں آورد

یعنی جب وہ دریا کی راہ ہی نہیں جانتا تو خود کس طرح راہ لیجا سکتا ہے۔ اور مخلوق کو دریا کیطرف کس طرح لا سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی کو نقص علمی ہو اور اس کو معرفت حق ہی حاصل نہ ہو تو نہ وہ خود پہونچ سکتا ہے اور نہ دوسروں کو پہونچا سکتا ہے۔

متصل گردد بہ بحر آنگاہ او ۔ رہ برد تا بحر ہمچوں سیل وجو

یعنی وہ جب بحر سے متصل ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ بحر تک سیل اور ندی کی طرح راہ لیجا سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اس کو معرفت حق حاصل ہو جاوے گی تو اب اوسکو اُسکے ساتھ پیوستہ ہونا بھی آسان ہو گا اور جس طرح کہ ندی اور رود دریا میں جا کر لیجاتے ہیں اسی طرح یہ بھی حق تعالےٰ کے ساتھ پیوستہ ہو جاوے گا۔ اور اگر ابھی معرفت ہی حاصل نہوئی ہو تو اسکو فرماتے ہیں کہ

ور کند دعوت بہ تقلیدے بود ۔ نز عیان و وحی و تائیدے بود

یعنی اور اگر وہ دعوت کرے تو وہ دعوت بھی تقلیدی ہوتی ہے۔ نہ عیاناً و وحی اور تائید کے ساتھ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ خود تو کیا راہ پاوے گا۔ اگر اوروں کو بھی بلاتا ہے تو یہ بلانا بھی تقلیدی ہی ہوتا ہے۔ اور حق تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ غرضکہ چاہیئے کہ اس کامل کے ساتھ پیوستہ ہوں تو ہمارے اندر بھی اس کی برکت سے کمال پیدا ہو جاوے

چونکہ شیخ کا جواب تو اوپر ختم ہو ہی چکا تھا۔ آگے اُس عورت کا سوال نقل فرماتے ہیں کہ۔

گفت پس چوں رحم داری بر ہمہ   ہمچو چوپانے بگردِ ایں رمہ

یعنی اس عورت نے کہا کہ بس جبکہ تم سب پر رحم رکھتے ہو۔ اور اس جماعت کے گرد چوپان کی طرح ہو۔

چوں نداری نوحہ بر فرزند خویش   چونکہ فصادِ اجل شاں زد بہ نیش

یعنی تم اپنے فرزند پر نوحہ کیوں نہیں کرتے۔ جبکہ فصادِ اجل نے ان کے نشتر مارا ہے۔

چوں گواہِ رحم اشکِ دیدہاست   دیدۂ تو بے نم و گریہ چراست

یعنی جبکہ رحم کے گواہ آنکھ کے اشک ہیں۔ تو تمہاری آنکھ بے نم اور بے گریہ کیوں ہے۔

شیخ دانا زیں عتابش گرم شد   در سخن یکبارہ بے آزرم شد

یعنی شیخ دانا اس کے اس عتاب سے جوش میں آ گئے۔ اور بات میں ایک دفعہ ہی بیتاب ہو گئے۔

رو بزن کرد و بگفتش اے عجوز   خود نباشد فصلِ دے ہمچوں تموز

یعنی عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ اے عجوز فصل خزاں فصل بہار کے خود برابر نہیں ہوا کرتی۔ مطلب یہ کہ میں اور تم لوگ برابر نہیں ہیں۔

جملہ گر مردند وایشاں ورحے اند   غائب و پنہاں زچشم دل کے اند

یعنی سارے کے سارے اگر مر گئے۔ اور اگر زندہ ہیں چشم دل سے کب غائب اور پنہاں ہیں۔

من چو بینم شان معین پیش خویش ازچہ رو رو را کنم ہمچون تو ریش

یعنی میں جب اونکو مجسم اپنے سامنے دیکھتا ہوں تو پھر اپنے منہ کو تیری طرح کس لئے زخمی کروں۔

گرچہ بیرون اند از دور زمان با من اندو گرد من بازی کنان

یعنی اگرچہ اس دور زماں سے باہر ہیں مگر میرے تو ساتھ ہیں اور کھیل کر رہے ہیں۔

گریہ از ہجران بود یا از فراق با عزیزانم وصالست و عناق

یعنی گریہ یا تو ہجر سے ہوا کرتا ہے یا فراق سے اور مجھے عزیزوں کے ساتھ وصل اور معانقہ ہے۔ ہجر تو کہتے ہیں اوسکو کہ محبوب سامنے ہو اور پاس ہو اور نہ ملے اور فراق یہ کہ وہ دور ہی ہو جاوے تو مطلب یہ کہ رووے تو جب جبکہ محبوب چھوڑ دے یا الگ ہو جاوے مگر میرے تو سامنے موجود ہیں کیوں رووں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکو کشف ہوتا تھا اور وہ اونکو کشف کے ذریعہ سے دیکھتے تھے اور فرماتے ہیں کہ۔

خلق اندر خواب مے بینندشان من بہ بیداری ہمی بینم عیان

یعنی خلق تو اونکو خواب میں دیکھتی ہے اور میں اونکو بیداری میں عیاناً دیکھ رہا ہوں آگے اس عیاناً دیکھنے کی ترکیب بتاتے ہیں کہ میں اس طرح دیکھتا ہوں کہ

زین جہاں خود را ز مے پنہاں کنم برگ حس را از درخت افشاں کنم

یعنی میں عالم شہادت سے عالم غیب کیطرف متوجہ ہو جاتا ہوں اور درخت روح سے حواس ظاہرہ کے پتوں کو جھاڑ دیتا ہوں یعنی ان حواس کو معطل کر کے حواس باطنہ سے کام لیتا ہوں پس عالم غیب مجھپر منکشف ہوتا ہے اور میں اپنے بچوں کو دیکھ لیتا ہوں اوس کے بعد مولانا اِس بیان کو موجہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

زین جہان خود را دمے پنہاں کنم　　برگ حس را از درخت افشاں کنم

یعنی اِس جہان سے اپنے کو ایک دم کے لیئے پنہاں کر لیتا ہوں اور برگ حس کو درخت سے جھاڑ دیتا ہوں مطلب یہ کہ اپنے حواس کو معطل کر کے غیبت حاصل کر لیتا ہوں تو جہاں ان حواس کو معطل کیا وہ عالم مکشوف ہو جاتا ہے اور اونکو دیکھ لیتا ہوں آگے فرماتے ہیں کہ

حس اسیر عقل باشد اے فلان　　عقل اسیر روح باشد ہم بدان

دست بستہ عقل را جان باز کرد　　کارہائے بستہ را ہم ساز کرد

حسہا و اندیشہا ز آب صفا | ہمچو خس بگرفتہ روئے آب را
دست عقل آن خس بکسو مے برد | آب پیدا مے شود پیش خرد
خس بس انبہ بود بر جو چوں حباب | خس چو یکسو رفت پیدا گشت آب
چونکہ دست عقل نکشاید خدا | خس فزاید از ہوا بر آب ما
آب را ہر دم کند پوشیدہ او | از ہوا خندان و گریاں عقل تو
چونکہ تقوے بست دو دست ہوا | حق کشاید ہر دو دست عقل را
پس حواس چیرہ محکوم تو شد | چوں خرد سالار و مخدوم تو شد
حس را بیخواب خواب اندر کند | تا کہ غیبتہا ز جاں سر بر زند
ہم بہ بیداری بہ بیند خوابہا | ہم ز گردوں بر کشاید بابہا

یعنی تم شیخ کے کلام کو محض دعوی نہ سمجھو بلکہ یہ ایک موجہہ اور مدلل بیان ہے کیونکہ حق سبحانہ نے اصالۃً حس کو عقل کا محکوم اور عقل کو روح کا منقاد بنایا ہے پس جبکہ روح عقل کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھول کر اوسکو حواس کے مغلوب کر لینے کے قابل بنا دیتی ہے تو سب مشکلات حل ہو جاتی ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ حواس

اور خیالات نفسانیہ نے مغیبات کو یوں ہی چھپا رکہا ہے جیسے کہ خس وخاشاک آبِ صفا پر پہیل کر اوسکو چھپا لیتا ہے اور احتجابِ مغیبات انہیں حواس وافکار کے سبب سے ہے جبکہ عقل غالب ہوجاتی ہے اور بندش کے اوٹھہ جانے کے سبب وہ حواس میں تصرف کرنے کے قابل ہوجاتی ہے تو وہ حواس وافکار کے خس وخاشاک کو ہاتہہ سے ہٹادیتی ہے۔ یعنی اون کی طرف توجہہ چہوڑ دیتی ہے اور وہ یوں معطل ہوجاتے ہیں جیسے خواب میں ان کی حالت ہوتی ہے اور آب صاف اوسکو دکہلائی دینے لگتا ہے یعنی مغیبات اوس کے سامنے حاضر ہوجاتے ہیں خس وخاشاک چونکہ آب جُو پر بہت تھے اسلئے پیشتر پانی نظر نہ آتا تہا۔ اب ہٹ گئے تو پانی ظاہر ہوگیا یعنی ہجوم وافکار و خیالات کے سبب مغیبات نہ دکہلائی دیتے تھے اب اون کے دفع ہوجانے سے پیش نظر ہوگئے اور جبکہ حق سبحانہ بتوسط روح عقل کے ہاتہہ نہیں کہولتے تو اوس وقت خس وخاشاک افکار واوہام بڑہتے رہتے ہیں۔ اور آب مغیبات کو جس کا ظہور تمکو مطلوب ہے پوشیدہ کرتے رہتے ہیں پس وہ خس وخاشاک تو ہوائے نفس سے ہنستے کہیلتے ہیں۔ اور عقل بیٹہی قسمت کو روتی ہوتی ہے۔ کیونکہ حواس اوسپر غالب اور وہ اون کی مغلوب ہوتی ہے۔ کیونکہ روح اوسکی امداد نہیں کرتی۔ کہ اوسکو ان کمینوں کے نرغے سے چہڑائے نیز اپنے مطلوب یعنی ادراک مغیبات سے دور ہوتی ہے اسلئے روتی رہتی ہے برخلاف اِس کے جب روح اوسکی امداد کرتی ہے یعنی تقوے اختیار کرکے خواہشات نفسانیہ کے دست تعدیکو باندہتی رہتی ہے اوسوقت حق سبحانہ اوسکے توسط سے عقل کے ہر دو دست کہولتے ہیں۔ پس عقل حواس پر جبکہ اب تک غالب تہے تسلط کرکے اونکو مغلوب کرتی اور اپنا منقاد بناتی ہے اور اون کو بیداری ہی میں سلادیتی ہے یعنی حالت خواب ہی کی طرح معطل کردیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روح سے مغیبات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شیخ کا بیداری میں لڑکوں کو دیکہنا کچہ مستبعد نہیں۔ بلکہ اگر اور لوگ بہی ویسا ہی کریں جیسا کہ شیخ نے کیا ہے تو اونکو بہی دکہلائی دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی حکمت حصول کشف سے مانع نہو۔